ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

ایڈیٹر
مرزا محمد الدین ناز

نومبر ۱۹۸۸ء

ابتدائے معنوی کے لحاظ سے نَبْتَہِلْ کے نئے معنی ہوں گے "نَدْعُ و نَتَضَرَّعُ" کہ ہم گڑگڑا کر دعا کریں۔ بابِ افتعال میں تخیّر کی صفت پائی جاتی ہے کہ کوئی کام اپنے لئے کرنا۔ جیسے اِکْتَالَ حِنْطَۃً اس نے اپنے لئے گندم ماپی۔ تو نَبْتَہِلْ کا مفہوم ہوگا کہ اپنے لئے اور اپنے مشن کے لئے متضرّعانہ اور عاجزانہ دعائیں کریں اور خدا تعالیٰ سے اپنے صدق کے حق میں نشان طلب کریں۔ اسی طرح ایک خاصہ تصرّف ہے یعنی تحصیل ماخذ میں کوشش کرنا اور ایک لمبے عرصہ تک اجتہاد کرنا اِسی لئے سیّدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"وَلَوْلَا عَنُوْا ..... لَمَا حَالَ الْحَوْلُ عَلَى النَّصَارٰى كُلِّهِمْ حَتّٰى يُهْلَكُوْا۔"

(تفسیر کبیر رازی جزء ۸ صفہ ۸)

اگر وہ مباہلہ کرتے ..... تو عیسائیوں پر ایک سال بھی نہ گذرتا کہ وہ سب ہلاک کر دیئے جاتے۔

"لَوْلَا عَنُوْانِيْ مَا حَالَ الْحَوْلُ وَبِحَضْرَتِهِمْ مِنْهُمْ اَحَدٌ۔"

(تفسیر ابنِ جریر جزء ۳ صفہ ۲۱۲)

کہ اگر نصارٰی نجران مجھ سے مباہلہ کرتے تو ایک سال نہ گذرتا کہ ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہتا۔

گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابتہال کو ایک سال تک ممتد فرماتے ہیں اور کوشش اور اجتہاد اور غایت درجہ کثرت سے تضرّع کو لازم سمجھتے ہیں۔ آپؐ کی قوّتِ روحانیہ سب بنی نوع انسان سے افضل تھی۔ جب آپؐ نے سال کا عرصہ مقرر فرمایا تو کسی اَور کے لئے دَم مارنے کی جگہ نہیں کہ ایک سال سے کم عرصہ مقرر کرے۔ ایک رات یا فوری نتیجہ کی طلب حضورؐ کے معیّن کردہ عرصہ سے استہزاء کا رنگ رکھتا ہے جو کسی طور مناسب نہیں۔

فرمایا۔ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۔ پس جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ڈالیں۔

یہاں جَعَلَ کے معنی وَضَعَ کے ہیں کہ "لعنت ڈالیں"۔ اور جَعَلَ اگر ایسے ۲ دو مفعول کی طرف متعدی ہو جن کا آپس میں تعلق مبتداء اور خبر کا ہو جیسا کہ اِس آیت میں بھی یہ شرط پوری ہوتی ہے تو یقین اور شک دونوں کے لئے آتا ہے بایں صورت مدعی فریق بہرحال یقین پر قائم ہوتے ہوئے سیدھا اور صاف اقرار کرے گا کہ "لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ" اور اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے اللہ کو فیصلہ کے لئے کافی سمجھتا رہے گا کیونکہ یہ الفاظ کہہ کر فیصلہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ جبکہ دوسرا فریق شک کے باعث ان الفاظ کے اقرار سے اجتناب کرتا ہے اور لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ کہنے کی بجائے دشنام طرازی اور بہتان تراشی پر اُتر آتا ہے کیونکہ وہ معاملہ خدا تعالیٰ کی بجائے اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے اور جلد ہی ہلاکت کا دعوٰی کرتا ہے حالانکہ قرآنی الفاظ "لَعْنَتَ اللّٰهِ" صاف واضح کر رہے ہیں کہ اس مباہلہ کے نتیجہ

میں ایسے الٰہی نشانات ظاہر ہوں گے جس میں انسانی ہاتھ نہیں ہوگا اور کاذب کا کِذب اور بُہتان تراشی کُھل کر سامنے آجائے گی۔ کبھی وہ فریقِ مخالف کے اَدنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک کا جُھوٹ ثابت کر کے لعنت کرے گا تو کبھی ان کو ہلاک کر کے اپنی قدرت کا نشان دکھائے گا کیونکہ لعنت کا ایک معنیٰ ہلاکت بھی ہے۔ کبھی وہ آگ اور پانی کا عذاب لا کر گواہی دے گا کہ اپنے دعویٰ میں کون سچّا ہے اور مَیں کس کے ساتھ ہوں لیکن اِن نشانات کے لئے ابتہال بنیادی شرط ہے جو فریقین پر لازم ہے۔

اَلْکَاذِبِیْنَ کا دائرہ بھی الگ الگ ہے۔ ایک مدّعی فریق ہے جو کہتا ہے کہ میرا خدا سے زندہ تعلق ہے۔ الہامِ الٰہی میری غذا ہے وہ اِس تعلق میں کہے گا کہ اگر اس تعلق کے بیان کرنے میں اور روشن عِلم و معرفت کے جلال میں کذب بیانی سے کام لے رہا ہوں تو چونکہ خدا تعالیٰ ہی اس کا سرچشمہ ہے وہ جانتا ہے اِس لئے وہ مجھے تباہ و برباد کر دے اور اِسی طرح فریقِ مخالف جو اس تعلق کو جُھٹلاتا ہے اور کذب بیانی سے اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوتا ہے اور طرح طرح کے بہتان لگاتا ہے اگر وہ جھوٹا ہے تو وہ ہلاک ہو۔ فریقِ مخالف بھی اسی قِسم کا لفظی اقرار کرے یا قبولیّت کا عملی اظہار کرے تو پھر مباہلہ کی طرح پڑتی ہے لیکن وہ لفظی اقرار کرنے سے کتراتا ہے کیونکہ اسے وہ یقین حاصل نہیں ہوتا جو پہلے فریق کو ہے۔

اصل مقصود دعا ہے جو الٰہی جماعتوں کا طُرّۂ امتیاز رہا ہے۔ ہلاکت یا عذاب دلوں سے زنگ نہیں دھو سکتے یہ آنکھوں کا شفّاف پانی ہے جو دلوں کی کدورت کو دھو کر ان کو مثلِ آئینہ بنا دیتا ہے۔ یہ دعاؤں کا ہی اعجاز تھا کہ ایک دن یا ایک رات میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادۂ قتل کرنے والے آپ کے قدموں میں آگرے۔ اندھے بِینا ہوئے اور صُدیوں کے بگڑے الٰہی رنگ پکڑ گئے۔ اب بھی آواز آرہی ہے ؎

چل رہی ہے نسیم رحمت کی　　٭　　جو دعا کیجے قبول ہے آج

بڑے ہی خوش نصیب ہیں وہ دِل جو اپنے آنگن کو اِس بادِ نسیم سے معطّر کرتے ہیں۔

سَو فیصد بجٹ ادا کرنے والی مجالسِ انصاراللہ کی دعائیہ فہرست

مجلسِ انصاراللہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع کے التواء اور حالیہ سیلاب کے پیشِ نظر سَو فیصد بجٹ ادا کر کے دعائیہ فہرست میں شمولیّت کی تاریخ ۳۰ اکتوبر سے بڑھا کر ۱۰ دسمبر کر دی گئی ہے۔ اب جو مجالس اپنے بجٹ ۱۰ دسمبر ۱۹۸۸ء تک ادا کر دیں گی ان کے نام دعائیہ فہرست میں شامل کر لئے جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

(قائد مال مجلس انصاراللہ مرکزیہ ربوہ)

امام الکلام

کمالاتِ تامّہ کا مظہر

"تیسرا درجہ محبت کا وہ ہے جس میں ایک نہایت افروختہ شعلہ محبتِ الٰہی کا انسانی محبت کے مستعد فتیلہ پر پڑ کر اس کو افروختہ کر دیتا ہے اور اس کے تمام اجزاء اور تمام رگ و ریشہ پر استیلاء پکڑ کر اپنے وجود کا اتم اور اکمل مظہر اس کو بنا دیتا ہے اور اس حالت میں آتشِ محبتِ الٰہی لوحِ قلبِ انسان کو نہ صرف ایک چمک بخشتی ہے بلکہ معاً اس چمک کے ساتھ تمام وجود بھڑک اُٹھتا ہے اور اس کی لوئیں اور شعلے اِردگرد کو روزِ روشن کی طرح روشن کر دیتے ہیں اور کسی قسم کی تاریکی باقی نہیں رہتی اور پورے طور پر اور تمام صفاتِ کاملہ کے ساتھ وہ سارا وجود آگ ہی آگ ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت جو ایک آتش افروختہ کی صورت پر دونوں محبتوں کے جوڑ سے پیدا ہو جاتی ہے اُس کو رُوحِ امین کے نام سے بولتے ہیں کیونکہ یہ ہر یک تاریکی سے امن بخشتی ہے اور ہر یک غبار سے خالی ہے اور اس کا نام شدید القویٰ بھی ہے کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقتِ وحی ہے جس سے قوی تر وحی متصور نہیں اور اس کا نام ذوالافق الاعلیٰ بھی ہے کیونکہ یہ وحیِ الٰہی کے انتہائی درجہ کی تجلّی ہے اور اس کو رأی ما رأی کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے کیونکہ اس کیفیت کا اندازہ تمام مخلوقات کے قیاس اور گمان اور وہم سے باہر ہے اور یہ کیفیت صرف دُنیا میں ایک ہی انسان کو ملی ہے جو انسانِ کامل ہے جس پر تمام سلسلہ انسانیہ کا ختم ہو گیا ہے اور دائرہ استعدادات بشریہ کا کمال کو پہنچا ہے اور وہ درحقیقت پیدائشِ الٰہی کے خط ممتد کی اعلیٰ طرف کا آخری نقطہ ہے جو ارتفاع کے تمام مراتب کی انتہاء ہے حکمتِ الٰہی کے ہاتھ نے ادنیٰ سے ادنیٰ خلقت سے اور اسفل سے اسفل مخلوق سے سلسلہ پیدائش کا شروع کر کے اُس اعلیٰ درجہ کے نقطہ تک پہنچا دیا ہے جس کا نام دوسرے لفظوں میں محمدؐ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ نہایت تعریف کیا گیا۔ یعنی کمالاتِ تامہ کا مظہر.....

اس کا نام مقامِ جمع اور مقامِ وحدتِ تامہ ہے ..... ایسا ہی یہ وہ مقام عالیشان مقام ہے کہ گذشتہ نبیوں نے استعارہ کے طور پر صاحبِ مقام ہٰذا کے ظہور کو خدائے تعالیٰ کا ظہور قرار دے دیا اور اس کا آنا خدائے تعالیٰ کا آنا ٹھہرایا ہے۔"

(روحانی خزائن جلد سوم صفحہ ۶۳، ۶۴)

کلام الامام

مقامِ محمدیّت

"حقیقتِ معراج میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام عرشِ ربِّ کریم ہے یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ خدا جو تمام صفاتِ کاملہ حسنہ سے متّصف ہے اس نے اپنے نہایت ہی پیار کے ساتھ مظہر اتم الوہیّت بناکر اپنی دائیں طرف آپؐ کو بٹھایا یہ ہے مقامِ ختمِ نبوّت جو حقیقتِ معراج میں تصویری زبان میں بتایا گیا ہے...

یہ مقام یعنی عرشِ ربِّ کریم پر مقامِ محمدیّت یا مقامِ ختم المرسلین یا مقامِ خاتم النّبیّین اس تصویر میں اور حقیقتاً بھی اتنا اعلیٰ اور ارفع مقام ہے کہ وہاں تک کوئی اَور انسان پہنچ ہی نہیں سکتا۔ یہی وہ مقام اور صاحبِ مقام ہے جس کی خاطر اِس ساری کائنات کو پیدا کیا گیا ہے۔ حدیثِ قدسی "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ" اسی حقیقت کی مظہر ہے اور اسی لئے یہ وہ مقام ہے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بھی ملا ہوُا تھا جب آدم ابھی معرضِ وجود میں نہیں آیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت بھی خاتم النّبیّین تھے جبکہ آدم کا وجود مٹی میں کروٹیں لے رہا تھا۔ یہی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے یہی تو آپؐ کا آخری مقام ہے.....

پس ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتے ہیں اس معنی میں جس معنی میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ہمارے محبوب اور پیارے ہیں آخری نبی سمجھنا چاہیئے ..... حضرت ابراہیم علیہ السلام تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ مقام پر اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے کِس چیز پر قربان کرنے کے لئے؟ خدا نے فرمایا تھا میرے عرش پر، میرے عرش کی رفعتوں کے حصول کے بعد میری دائیں طرف بیٹھنے والا تیری نسل میں پیدا ہونے والا ہے ..... یہی وہ ذبحِ عظیم ہے جس کی ہزاروں مثالیں ابتداءِ دورِ اسلام میں ملتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام اور آپ کے مشن کے دفاع میں میدانِ کارزار میں جو کٹی ہوئی گردنیں نظر آتی ہیں وہ ذبحِ عظیم کی درخشندہ مثالیں ہیں..... اس میں سے کئی بدر کے میدان میں شہید ہوئے۔ پھر وہ جنگِ اُحد میں شہید ہوئے۔ یکے بعد دیگرے ہر جنگ میں شہید ہوتے رہے۔ وہ عرب کے میدانوں میں شہید ہوئے۔ وہ ایران کے میدانوں میں شہید ہوئے۔ وہ مصر کے میدانوں میں شہید ہوئے مغربی افریقہ کے میدانوں میں شہید ہوئے ..... انہوں نے اپنی جانوں کو خدا کی راہ میں قربان کرتے ہوئے زمین کو اپنے خون سے سُرخ کر دیا۔"

(خطبہ جمعہ۔ الفضل ۱۷ اپریل ۱۹۷۳ء)

عربی منظوم کلام

فَطَلَعْتَ یَا شَمْسَ الْهُدٰی نُصْحًا لَّهُمْ — لِتُضِيْئَهُمْ مِنْ وَجْهِكَ النُّوْرَانِیْ

اتنے میں اے آفتابِ ہدایت ان کی خیر خواہی کے لئے تُو نے طلوع کیا کہ اپنے نورانی چہرہ سے انہیں منوّر کرے

اُرْسِلْتَ مِنْ رَّبٍّ كَرِيْمٍ مُّحْسِنٍ — فِی الْفِتْنَةِ الصَّمَّاءِ وَالطُّغْيَانِ

تُو خوفناک فتنے اور طغیانی کے وقت — خداوند کریم کی طرف سے بھیجا گیا

يَا لَلْفَتٰی مَا حُسْنُهٗ وَجَمَالُهٗ — رَيَّاهُ يُصْبِی الْقَلْبَ كَالرَّيْحَانِ

واہ کیا ہی خوش شکل اور خوبصورت جوان ہے جس کی خوشبو دل کو ریحان کی طرح شیفتہ کر لیتی ہے

وَجْهُ الْمُهَيْمِنِ ظَاهِرٌ فِیْ وَجْهِهٖ — وَشُئُوْنُهٗ لَمَعَتْ بِهٰذَا الشَّانِ

اس کے چہرہ سے خدا کا چہرہ نظر آتا ہے اور اس کی شان میں خدا کی شان نمایاں ہے

فَلِذَا يُحَبُّ وَيُسْتَحَقُّ جَمَالُهٗ — شَغَفًا بِهٖ مِنْ زُمْرَةِ الْاَخْدَانِ

اسی لئے تو وہ محبوب ہے اور اس کا جمال لائق ہے کہ تمام دوستوں کو چھوڑ کر اسی کے جمال سے دل لگی پیدا کی جائے

فَاقَ الْوَرٰی بِكَمَالِهٖ وَجَمَالِهٖ — وَجَلَالِهٖ وَجَنَانِهِ الرَّيَّانِ

اپنے کمال اور جمال اور جلال اور تازہ دل کے سبب سے تمام مخلوق سے بڑھا ہوا ہے

لَا شَكَّ اَنَّ مُحَمَّدًا خَيْرُ الْوَرٰی — رِيْقُ الْكِرَامِ وَنُخْبَةُ الْاَعْيَانِ

بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سے سب سے بہتر، برگزیدہ کرام اور سرداروں میں سے چنیدہ ہیں

(دُرِّ ثمین عربی مترجم ص۵)

خلاصہ خطبات حضرت امام جماعتِ احمدیہ

خلاصہ خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳ ستمبر ۱۹۸۸ء بمقام ماریشس

تشہد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ ماریشس میں احمدیت کی تاریخ کو جو اہمیت حاصل ہے اور اس نے جس طرح حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے پیغام پر لبیک کہا ہے اس سے ماریشس کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے اسی لئے اللہ کی یہ منشاء تھی کہ یہاں دو جمعے ہوں گے۔

فرمایا: ماریشس کی جماعت نے جس طرح محبت و اخلاص سے سارے قافلہ والوں کا خیال رکھا اور میری نصیحتوں پر جس قدر جلد عمل کرنے کی کوشش کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کو ایک بہت ہی نیک جماعت عطا کی ہے۔

فرمایا:- اس ملک کے عیسائیوں، ہندوؤں اور بعض مسلمانوں نے بھی بہت عمدہ حُسنِ سلوک اور اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے۔ جہاں تک حکومت کے وزیرِ اعظم کا تعلق ہے وہ روزمرہ کے اخلاقی تقاضوں سے بڑھ کر دفتری ملاقات کے علاوہ ہمارے کھانے پر بھی تشریف لائے۔ کئی گھنٹے ہمارے ساتھ بیٹھے۔ حکومت کے پروٹوکول کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انہوں نے بڑی بے تکلفی اور بہادری سے جماعت کے متعلق ایسے ایسے خیالات کا اظہار کیا کہ میں حیرت سے ان کا مُنہ دیکھتا رہ گیا۔ ایک عام سیاسی لیڈر سے ایسی جُرأت کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح قیام کے دوران بعض وزراء، دانشوروں اور عدلیہ کے ماہرین اور ججوں سے جو مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے تھے ملاقات ہوئی۔ سب بااخلاق، مُنکسر المزاج تھے۔ تجربہ تھا، سب ہی ذہین، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور روشن دماغ تھے۔ جماعت کے افراد اور باہر کے افراد کے متعلق میں نے یہی محسوس کیا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی صلاحیتوں اور اعلیٰ قدروں سے نوازا ہے۔

فرمایا: دیگر اہم تقاریب میں سے یونیورسٹی میں میرا خطاب تھا اور وزیرِ تعلیم بھی آئے تھے۔ یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے مجھے اچھے لفظوں میں خوش آمدید کہا اور تقریب کے آخر میں بہت عمدہ خیالات کا

اظہار کیا۔ طلباء اور اساتذہ نے خیالات کے اختلاف کے باوجود جس رنگ میں یہ لیکچر سُنا ممکن ہے کہ انکے خیالات میں آنچ بھی آتی ہو لیکن اس کے باوجود انہوں نے خوشی کا بھی اظہار کیا۔ وزیرِ تعلیم اور وائس چانسلر سے مِل کر اِس لئے بھی خوشی ہوئی کہ ان کی تعلیم میں جو بات مَیں نے خصوصیّت سے نوٹ کی وہ یہ تھی کہ علم نے ان میں شائستگی پیدا کی ہے۔ یہاں کے تعلیم یافتہ میں صرف ظاہری تعلیم ہی نہیں بلکہ شائستگی بھی پائی جاتی ہے

فرمایا: ایک اہم موقع پریس کانفرنس کا تھا۔ تمام اہم اخبارات کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلیویژن کے نمائندگان بھی آئے ہوئے تھے اس وقت بھی میرے یہی تاثرات تھے کہ اس ملک کے صحافی بڑی ذہانت کے ساتھ نفسِ مضمون میں ڈوب کر سوال کرتے تھے۔ ایسے شائستہ اخبار نویسوں سے عام ملاقات ہوتی رہتی ہے لیکن مشرقی دُنیا میں ایسے روزمرہ کی بات نہیں ہوتی یہاں کے اخبار نویسوں نے بھی اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے اور شائستگی کا ثبوت دیا ہے۔

فرمایا: آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیتیں دی ہیں کہ اگر ان پر احمدیت کی روشنی ڈالی جائے تو یہ چمک اُٹھیں۔ اِس لئے ضروری ہے کہ احمدیت کے پیغام کو اپنے تک محدود نہ رکھیں بلکہ کثرت سے اسے اپنے ماحول میں پھیلاویں۔ فرمایا اِس کے برعکس بعض علماء کی طرف سے بدخُلقی کے مظاہرے بھی ہوئے مخالفانہ باتیں تو ہوتی رہتی ہیں۔ بعض مخالف اخلاقی قدروں کو آسانی سے پھلانگ جاتے ہیں۔ ایسی باتوں کی تو ہر جگہ توقع ہوتی ہے۔ ماریشس اِس پہلو سے مستثناء نہ تھا صرف افسوس یہ تھا کہ وہ مذاہب جن کو دینِ حق نے تہذیب اور اخلاق سکھائے تھے وہ مذاہب دینِ حق والوں کے لئے نمونہ بنے ہوئے تھے لیکن ان کے نمونے سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق ان کو نہ مِل رہی تھی۔ اِس کے باوجود نا انصافی ہوگی اگر یہ کہیں کہ یہاں کے علماء پاکستانی علماء کے ایک خاص طبقہ کے برابر شمار کئے جا سکتے ہیں۔ یہاں جب احمدیوں نے ان کے عمل سے دلبرداشتہ ہو کر افسوس کا اظہار کیا تو مَیں نے کہا کہ انہوں نے پاکستان اور ہندوستان کے علماء کو دیکھا ہوتا تو اِن کو فرشتے سمجھتے۔ کہا: ان کی بداخلاقی پر افسوس دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ فرمایا: ایشیائی علماء بھی جانتے ہیں کہ ان کا مدِّمقابل کون ہے اس کے باوجود اعلیٰ اخلاق دکھائے۔ خوش آمدید کہتے رہے۔ یہی حال ہندوؤں کا تھا ان کے مذہبی لیڈر بھی ہماری مجالس میں آئے اور ہرگز کسی بے صبری کا مظاہرہ نہ کیا بلکہ بعض جگہ تو تائید بھی کرتے رہے اِس لئے ان کے مقابلہ پر یہ علماء بداخلاق دکھائی دے رہے تھے۔

فرمایا: ایک اور اہم بات جس کا ذکر ضروری ہے وہ گزشتہ بزرگوں کی یاد اور ان کی تعلیم کو زندہ رکھنا ہے۔ ڈاکٹر لال دین صاحب نے ماریشس کی تاریخ میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے وہ کچھ عرصہ یہاں

رہے پھر یوگنڈا اور کینیا چلے گئے اور وہاں انہوں نے عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد دو بزرگ آئے صوفی غلام محمد صاحب اور حافظ جمال احمد صاحب۔ صوفی صاحب رفیق حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ نیک، عالم، مخلص اور وجیہہ شخصیت تھے جن کی دعوتِ الی اللہ سے بہت احمدی ہوئے جن کے وسیع خاندان نظر آتے ہیں۔ حافظ جمال احمد صاحب کو تو یہاں کا بچہ بچہ جانتا ہے انہوں نے لمبا عرصہ ماریشس میں دین کی خدمت کی۔

فرمایا: انسان کا سفر انفرادی ہو یا قومی بعض لوگ قومی نشان چھوڑتے ہیں ان تینوں بزرگوں نے بھی ہمیشہ پیچھے رہنے والے نقوش چھوڑے ہیں مگر ہر انسان خواہ (وہ تھوڑا عرصہ ہی زندہ رہے) اس کے اثرات بھی باقی رہتے ہیں قوم پر نہیں تو اپنے خاندان پر۔ تاہم وہ اثرات بہت اہم ہوتے ہیں۔ حضورِ انور نے آیتِ کریمہ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر: ۱۹) کا حوالہ دیکر فرمایا کہ ہمیشہ نگران رہو کہ تم آنے والوں کے لئے کیا نشان چھوڑ رہے ہو اگر اچھے نشان چھوڑو گے تو خدا سے اچھا اجر ملے گا اگر بُرے اثرات چھوڑو گے تو اللہ ان کے بارے میں بھی پوچھے گا۔

فرمایا: ایک اور اہم بزرگ حافظ عبید اللہ صاحب تھے جو تھوڑا عرصہ زندہ رہے مگر ان کے اثرات آج تک زندہ ہیں۔ عمر چھوٹی تھی لیکن نیکیاں بہت تھیں۔ ان کا مزار ماریشس میں ہے۔ صوفی غلام محمد صاحب تو واپس چلے گئے تھے لیکن حافظ جمال احمد صاحب بھی یہیں فوت ہوئے۔ اب حافظ جمال احمد صاحب اور حافظ عبید اللہ صاحب کے مزاروں پر دعا کرنے کی توفیق بھی ملی ہے۔ فرمایا دوسری نسل کے مربیان مختلف وقتوں میں آئے ان کی یادوں میں بعض تلخیاں بھی ہیں لیکن جماعت کی موجودہ حالت میں ان سب گذشتہ کام کرنیوالوں کی محنتوں کا دخل ہے۔ فرمایا یہاں مدبرین اور مفکرین سے ملاقات کے نتیجہ میں معلوم ہوا کہ سب سے اچھا تأثر اسمٰعیل منیر صاحب نے چھوڑا ہے۔ کوئی نہیں ملا جو ان کے وقت میں تھا اور اُس نے محبت سے ان کا ذکر نہ کیا ہو۔ عیسائیوں اور ہندوؤں نے بھی ان کا ذکر کیا۔ سیاسی لیڈروں، عدلیہ کے ججوں نے بھی ذکر کیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہر قسم کے ماحول میں کوشش کرتے رہے اور اچھے تأثرات چھوڑ گئے ہیں۔ اِس لئے خصوصیت سے مولانا اسمٰعیل منیر صاحب کو دیگر مخلصین کے ساتھ یاد رکھنا چاہیئے۔ فرمایا: ہمارے اسیرانِ راہ مَولیٰ میں ان کا بیٹا بھی شامل ہے۔ الیاس منیر واقفِ زندگی ہے۔ بہت نیک صفات، مخلص، وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے والا نوجوان ہے۔ ان میں اخلاص، ایمان (اور استقامت) کی ایسی روشنی پائی جاتی ہے کہ ان کے خطوط کو دیکھ کر انسان آنحضرتؐ پر درود بھیجنے لگتا ہے کہ کس طرح ان کو زندہ ایمان بخش دیا ہے کہ جس کو موت کے خطرات کی کوئی پرواہ نہیں بلکہ مزید چمکتا اور دمکتا نظر آتا ہے۔ ایسے اور بھی راہِ مَولیٰ کے اسیر

ہیں اِس ذکر میں ان سب کا ذکر بھی شامل سمجھیں اور ان بزرگوں کے لئے دعائیں کرتے رہیں اور جب ان بزرگوں کے لئے دعائیں کریں تو اِن کی اولادوں کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ فرمایا آپ میں سے بہت سے نوجوان ایسے ہیں کہ اللہ نے جو انہیں خوبیاں عطا کی ہیں وہ انہیں احمدیت میں صَرف نہیں کر رہے مگر ان دعاؤں کے نتیجہ میں اللہ ان خوبیوں کو اعمال میں ڈھال دے گا۔ پس سابق بزرگوں کے لئے دعا کریں اور اپنے لئے بھی دعا کریں کہ خدا وہ شعور بخشے جن کی شناخت کے بغیر بنی نوع انسان کی خدمت کا انسان اہل نہیں بن سکتا۔

آخر میں حضور نے فرمایا: مَیں آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ سب نے اِس سفر کو کامیاب بنانے میں بڑے خلوص، محبّت، محنت اور نیک نیّتی کے ساتھ حصّہ لیا۔ اِس سلسلہ کو ہمیشہ جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ آپکے ساتھ ہو۔

خلاصہ خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰ ستمبر ۱۹۸۸ء بمقام لندن

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابھی دُو دن پہلے مَیں مشرقی افریقہ کے دَورہ سے واپس آیا ہوں جہاں مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ چار ممالک کے دَورہ کی توفیق ملی۔ واپسی پر دُو تین دن پیرس بھی ٹھہرا اور وہاں سے جماعتی معاملات میں غور اور آئندہ کے لئے بہتری کے منصوبے بنانے کی توفیق ملی۔ فرمایا: شاید آپ یہ توقع رکھتے ہوں کہ اِس جمعہ میں مَیں اِس دَورہ کے حالات بیان کروں گا لیکن میرا آج ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ اِس دَوران مجھے جو خطبے باہر دینے کی توفیق ملی ہے اور آپ کے ساتھ جو حالات وہاں دیکھتا رہا ہوں ان کے متعلق تبصرہ مَیں انہی خطبات میں کرتا رہا ہوں۔ کچھ مضامین ایسے ہیں جو وقتاً فوقتاً آتے رہیں گے اور ان کا تذکرہ بعد میں ہوتا رہے گا۔ اِس وقت میرا ارادہ یہ ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ دُو ایسے نشانات کا ذکر کروں جو تاریخی لحاظ سے تو بہت پہلے کے ہیں مگر دونوں کا تعلق جماعتِ احمدیہ کی تاریخ سے ہے۔ ایک نشان تو اس نوعیّت کا ہے کہ وہ تین زمانوں پر پھیلا پڑا ہے۔ چونکہ قرآن کریم ایسے نشانات کا بار بار ذکر کرتا ہے اور اِس بات کی نصیحت فرماتا ہے کہ ان کا ذکر چلتا رہنا چاہیئے کیونکہ اس سے خدا کا جلال، جمال، جبروت ظاہر ہوتا اور اس کی اپنے پیاروں کے لئے غیر معمولی نصرت ذہن نشین ہوتی ہے۔ اِس لئے ایسے نشانوں کا گاہے گاہے تذکرہ الٰہی جماعتوں کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوتا ہے۔

فرمایا: وہ نشان جس کا مَیں نے ذکر کیا ہے کہ تین زمانوں پر پھیلا ہوا ہے وہ حضرت موسٰی علیہ السلام اور فرعون کے مقابلے کا نشان ہے۔ اگرچہ اِس واقعہ کو آج تقریباً ۳۳ سَو سال گذر چکے ہیں مگر اس عرصہ میں اِس نشان نے تین دفعہ اپنا جلوہ دکھایا ہے اور حیرت انگیز طور پر تین زمانوں کی تاریخ کو اس نے اکٹھا

کر دیا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اِس نشان کا ذکر اِس طرح ملتا ہے کہ جب فرعون اپنے لشکر کے ساتھ غرق ہونے لگا تو اس نے خدا سے التجاء کی اب مَیں موسیٰؑ اور ہارونؑ اور ان کے خدا پر ایمان لاتا ہوں اِس لئے تُو مجھے بچالے۔ اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا کہ اب یہ کوئی وقت ہے بچنے کا! مگر پھر اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ ہم تیرے بدن کو نجات دیں گے۔ اِس جواب میں بہت ہی گہری حکمت ہے اور مراد یہ ہے کہ جب تیری رُوح کی نجات کا وقت تھا اور جب تیری رُوح کو خطرہ تھا تو اس وقت تُو ایمان نہیں لایا اب بدن کو خطرہ ہوُا ہے تو تُو ایمان لاتا ہے اِس لئے اِسی مناسبت سے ہم تیری ساری بات ردّ نہیں کرتے ہم تیرے بدن کو نجات دیں گے جو محض احسان کے رنگ میں نہیں بلکہ اِس غرض سے ہے کہ آئندہ نسلوں کے لئے یہ ایک عبرت کا نشان بن جائے۔

فرمایا: یہ نشان اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُنیس ۱۹ سَو سال پہلے ہو چکا تھا لیکن قرآن کریم نے یہ بیان فرما کر اِس نشان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بھی وابستہ کر دیا ہے کیونکہ اِس گفت وشنید کا بائیبل میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً سترہ سَو سال پہلے تک فراعینِ مصر کی ممیاں محفوظ سمجھی جاتی تھیں اور معلوم تھا کہ کِن مقابر میں محفوظ ہیں لیکن پھر اچانک غائب ہو گئیں اور حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں ان کا کوئی نشان معلوم نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی کے وہم وگمان میں نہیں آ سکتا تھا کہ وہ نعش محفوظ ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ غرقابی کے ذریعہ موت ہوئی تھی اِس لئے ایک اندازہ لگانے والا شخص یہی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس فرعون کی لاش ناپید ہو چکی ہوگی مگر اس وقت قرآن کا یہ بیان کہ خدا نے فرعون سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہاری نعش کو محفوظ رکھیں گے تا آئندہ زمانہ کے لئے عبرت بنے، ایک حیرت انگیز نشان ہے۔

فرمایا: اِس نشان کا تیسرا جلوہ حضرت اقدس بانیٔ سِلسلہ عالیہ احمدیہ کے زمانہ میں ہوُا جبکہ آپ کے زمانہ میں یہ نعش دریافت ہوئی۔ نہ صرف یہ نعش بلکہ بہت سے فراعین کی نعشیں دریافت ہوئیں۔ چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ سترھویں صدی کے آغاز میں پہلی دفعہ مصر کے گورنر کو یہ معلوم ہوُا کہ پُرانے مقابر کے لُوٹے جانے کے باوجود اچانک مصر میں ازمنۂ قدیم کے نشانات بِکنے شروع ہوئے ہیں تو اُس نے تحقیق کروائی۔ اِس پر پتہ لگا کہ وہ شاہی نشانات ہیں اور یقینی طور پر فراعینِ مصر سے تعلق رکھتے ہیں اور اب اس کا کاروبار عبدالرسول نامی ایک خاندان کر رہا ہے۔ چنانچہ جب اِن پر دباؤ ڈالا گیا تو ان کے ذریعے ایک مقبرہ سے اہم فراعین کی نعشیں ملیں جس کا کسی کو پتہ نہ تھا۔ اِنہی نعشوں میں منفتاح کی نعش بھی موجود تھی۔ اِس پر محققین نے بڑی حیرت کا اظہار کیا اور دم بخود رہ گئے کہ وہ نعشیں جو تین ہزار سال تک گُم رہی ہیں وہ یوں اچانک اصلی حالت میں جس طرح کہ ممیز

کی گئی تھیں پڑی ہوئی ملیں گی۔

فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو سو سال کے درمیان مصر کے مذہبی رہنماؤں نے ان ممیز کی چوری کے ڈر سے یہ فیصلہ کیا کہ ان بادشاہوں کی حفاظت کی خاطر انہیں مخفی جگہ دفنا دیا جائے جن کا راز اب حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے زمانہ میں آپ کی وفات کے بعد معلوم ہوا ہے۔ پس قرآن کریم کا یہ معجزہ کوئی معمولی معجزہ نہیں۔ ایک حیرت انگیز معجزہ ہے کیونکہ یہ نشان تین ہزار سال سے زائد عرصہ پر پھیلا ہوا ہے اور مختلف عہدوں سے تعلق رکھتا ہے۔ پہلا عہد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے جبکہ دوسرا عہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور آپ کی ہی اُمت میں ہونے والے ایک آئندہ واقعہ سے بھی اس کا تعلق ہے۔ اس مضمون کی وضاحت میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے تین احادیثِ نبویہ بیان فرمائیں جن میں قومِ موسیٰؑ کی بدھ کے روز فرعون سے نجات اور اس کی غرقابی نیز ایسے ہی ایک واقعہ کی اُمتِ محمدیہ میں ظاہر ہونے کا ذکر ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے ساتھ بھی فرعون کے واقعہ کا ایک تعلق ہوگا جو قومِ آخرین میں رونما ہوگا۔ اس کی وضاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ وہ اُمتِ محمدیہ کا ہی ایک گروہ ہے چنانچہ حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے آج سے تقریباً چھیاسی سال پہلے یہ خبر دی کہ یہ واقعہ آپ کے ساتھ پیش آنے والا ہے۔ فرمایا: یأتی علیک زمن کمثل زمن موسیٰ کہ تجھ پر موسیٰ علیہ السلام جیسا زمانہ آنے والا ہے۔ اس کے بعد حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ پر ۱۸ مارچ ۱۹۰۷ء کو یہ الہام ہوا کہ ایک موسیٰ ہے میں اس کو ظاہر کروں گا اور لوگوں کے سامنے اس کو عزت دوں گا۔ پھر یہ الہام ہوا کہ انّہ کریم تمشّی امامک وعادیٰ من عادیٰ۔ ان الہامات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو مظالم ہوئے اور فرعون کے ساتھ جو واقعات پیش آئے یہ ایسی تقدیر ہے جس نے بہرحال دوبارہ ظاہر ہونا تھا۔ حضور انور نے بڑی ہی تفصیل کے ساتھ تاریخِ فراعنہ کو بیان کیا اور فرمایا کہ فرعونِ موسیٰ یعنی منفتاح کے متعلق ایک بات قابلِ غور ہے کہ جب وہ ڈوب کر مرا تو کیا اس کے متعلق تاریخ میں بھی ایسا کوئی واقعہ درج ہے یا نہیں؟ فرمایا محققین اس بات کو تعجب سے دیکھتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فرعون ڈوب کر مرا ہو اور موسیٰ سے اُس کا مقابلہ ہوا ہو لیکن مصر کی تاریخ میں اس کا ذکر تک نہ ہو۔ اس لئے یہ پہلو ایسا ہے کہ اس کے متعلق مزید کہنے کی ضرورت ہے۔

فرمایا: امرِ واقعہ یہ ہے کہ خود ہی مؤرخین کھلم کھلا یہ بات لکھ چکے ہیں کہ مصر کے فراعین چونکہ خدا کے ہم مرتبہ سمجھے جاتے تھے اِس لئے اُن کے متعلق تخفیف کی کوئی بات تاریخ میں محفوظ نہیں کیا کرتے تھے بلکہ ذِلّت کے واقعات کو اُلٹا کر اُن کی شان و شوکت کے اظہار میں بیان کیا کرتے تھے چنانچہ اس کا سب سے بڑا ثبوت رافیل ثانی کے زمانہ میں ملتا ہے یعنی وہ فرعون جس کے زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام

پیدا ہوئے تھے اور جس کے بیٹے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ ہُوا تھا اُسے اپنے دشمن کے ہاتھوں ایسی زک اُٹھانی پڑی کہ وہ غیر معمولی جُرأت اور ہوشیاری سے کام نہ لیتا تو اس جنگ میں ہلاک ہو جاتا۔ تمام تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ بہت ہی ذلّت آمیز شکست تھی لیکن مصر کی تاریخ کا مطالعہ کر لیں اس میں کہیں اس واقعہ کو شکست کے طور پر پیش نہیں کیا گیا بلکہ فتح کو منانے کے لئے اس نے بڑی بڑی عظیم عمارتیں بنانی شروع کیں گویا کہ وہ ذلّت کی بجائے اس شکست کو فتح کے طور پر پیش کرتا تھا پس یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے ذریعہ ایسی ذلّت آمیز شکست اُٹھانے اور خدا کی تقدیر کا نشانہ بننے کے نشان کو مصر کی تاریخ اُسی رنگ میں محفوظ کرتی۔ اِس لئے جہاں تک مؤرخین کا تعلق ہے وہ یہی سمجھتے ہیں کہ فرعون کو بڑی شان و شوکت کے ساتھ دفنایا گیا اور عظیم الشّان سوگ منایا گیا اور بہت دُھوم دھام سے اس کے جسم کو محفوظ رکھنے کا طریق اختیار کیا گیا تھا۔ فرمایا: اِس زمانے کا انسان جو پیچھے رہ گیا تھا اس کی تو آنکھیں چُندھیا گئی ہوں گی کہ کس شان و شوکت کے ساتھ اس کا ماتم منایا گیا اور اسے محفوظ کیا گیا۔ لیکن یہ ساری باتیں قرآن کریم کے اعجاز کو بڑھا اور چمکا کر پیش کرتی ہیں اور خدا نے قرآن میں جو واقعہ بیان فرمایا ہے اس کی عظمت کو دوبالا کرنے والی ہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے غرقابی کے ہر قسم کے اثرات سے بچا کر اس کی نعش کو محفوظ رکھا۔

حضورِ انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے کشف "تاریخ اپنے آپ کو دھراتی ہے" کے حوالہ سے فرمایا کہ تاریخ اپنے آپ کو اس طرح نہیں دھراتی کہ لفظاً لفظاً وہی رُونما ہو بلکہ وہ اپنے آپ کو اس طرح دُہراتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس قوم کو سزا دینی ہو ان کے لئے اپنی عقوبت کے واقعات کو دُہراتا ہے۔ اس پہلو سے مجھے اس میں ایک خوشخبری بھی معلوم ہوئی اور وہ اس پہلو سے کہ یہ پڑھتے ہوئے مجھے ہمیشہ یہ فکر لاحق ہُوا کرتی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تو اور بھی بہت سے تکلیف دہ واقعات ہوئے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد اُن کی قوم نے ایک بچھڑے کو اپنا خدا بنا لیا تھا اور سونے کے بچھڑے سے متأثر ہو گئے تھے۔ اِن واقعات سے ایک خوف طاری ہوتا تھا کہ اگر تاریخ اسی طرح دُہرایا کرتی ہے اور زمنِ موسیٰ سے یہی مراد ہے تو پھر تو خدانخواستہ بعض تکلیف دہ چیزیں بھی دیکھنے کو آئیں گی۔ لیکن اس رؤیا کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ اس میں خوشخبری ہے کہ وہ زمنِ موسیٰ جس کے بارہ میں حضرت مصلح موعود نے لکھا ہے کہ آئندہ کسی خلیفہ کے زمانہ میں یہ واقعات رونما ہوں گے، ان میں وہ شرانگیز واقعات شامل نہیں ہوں گے بلکہ صرف پکڑ اور عقوبت کے واقعات دُہرائے جائیں گے۔ اِس لئے ہمیں دعا کرنی چاہیئے کہ زمنِ موسیٰ کے تقدیرِ الٰہی کے دشمن سے سلوک کے واقعات تو دُہرائے جائیں اور اللہ تعالیٰ فضل کرے تو ان کو بھی ہدایت دے

اور یہ واقعات اِس شدّت سے نہ دہرائے جائیں۔ لیکن وہ واقعات جو روحانی طور پر خدا کے موحد بندوں کے لئے تکلیف کا موجب بنا کرتے ہیں وہ واقعات بھی نہ دُہرائے جائیں۔

فرمایا : فرعون کی تاریخ کے بعض اَور واقعات بھی ہیں۔ اس میں ۹ نشانات کا ذکر ملتا ہے ان پر بھی غور کرنا چاہیئے بعید نہیں کہ وہ نشانات بھی اسی طرح کم و بیش شدت کے ساتھ دُہرائے جائیں۔

فرمایا : معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کی قوم نے چونکہ بات نہیں ماننی تھی اِس لئے وہ ہر نشان کے بعد بہانے تلاش کر لیا کرتی تھی اِس لئے خدا نے پے درپے نشان دکھائے تھے۔ اِس لئے دعا کرنی چاہیئے کہ اگر وہ تاریخ کو دُہراتا ہے اور یہ سارے واقعات بھی دُہرائے جانے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اِس قوم سے نسبتاً بہتر سلوک ہو۔ اسی نام کی برکت سے ہمیں یہ دعا کرنی چاہیئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی یہ تقدیر ہے کہ موسیٰ اور فرعون کے واقعات اِس زمانہ میں دُہرائے جائیں گے تو اس طرح دہرائے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت اور برکت سے آپؐ کی اُمت کو کم سے کم تکلیفیں پہنچیں اور وہ زیادہ سے زیادہ ہدایت پا جائے۔

فرمایا : کیونکہ یہ مضمون لمبا ہوگیا ہے اِس لئے دوسرا مضمون آئندہ خطبہ میں بیان کروں گا۔

خلاصہ خطبہ جمعہ فرمودہ ۷، اکتوبر ۱۹۸۸ء بمقام لندن

تشہّد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا : گذشتہ جمعہ میں مَیں نے ذکر کیا تھا کہ انشاء اللہ دو ایسے عظیم الشان نشانات کا ذکر کروں گا جن سے مومن کا ایمان تازہ ہوتا ہے۔ ایک نشان کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے اور دوسرے کا حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے زمانہ سے ہے۔ دونوں کے درمیان ایک رابطہ بھی ہے اور دونوں ہی ایک لمبے زمانہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک کا آغاز اُس وقت ہوُا تو انجام اِس زمانہ میں۔ اور ایک بظاہر اس زمانہ میں ہوُا لیکن الہامات سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا پہلا کنارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہی پیوستہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ والا نشان حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون میں مقابلہ والا نشان تھا جس کے نتیجہ میں خدا نے فرعون کی ہلاکت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کی نجات کے سامان پیدا فرمائے۔

فرمایا : اِس ضمن میں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ خدا نے جہاں فرعون سے اُس کے جسم کو نجات دینے کا وعدہ کیا وہیں اس کے برعکس یہ بھی خدائی کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر وہ توبہ نہ کرتا تو اس کے جسم کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہتا اور وہ وجود کے مِٹ جانے کے ذریعہ عبرت کا نشانہ بن جاتا۔ عبرت اُس نے بہرحال

بننا ہی تھا۔

فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون کے نشان کے سوا اور بھی باتیں ہوئیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ سامری کے فتنہ کے نتیجہ میں ایک بچھڑے کو خدا بنا لیا گیا۔ حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا جب لیکھرام سے اس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدزبانی اور دریدہ دہنی کی وجہ سے مقابلہ ہوا تو آپ کو لیکھرام کا انجام سامری کے بچھڑے جیسا دکھایا گیا۔ پس اگرچہ یہ نشان اِس زمانہ میں ظاہر ہوا لیکن اس کا آغاز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہی ہو چکا تھا اور اِس طرح خدا نے دونوں کو آپس میں باندھ دیا۔ اگر آپ اِس بات کو پیشِ نظر رکھ کر حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے الہام اور لیکھرام کے انجام پر غور کریں کہ گوسالہ خود اپنی پیداوار آپ نہ تھا بلکہ اس کے پیچھے سامری کی طاقت تھی اور جو اس میں بھرا گیا تھا وہ ہی بولتا تھا تو پھر آپ کو اس میں بہت سے روحانی سبق ملیں گے۔

فرمایا: حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کو لیکھرام کے بارے میں پہلی خبر ۱۸۸۶ء کو دی گئی اس لئے چھ سال کے اندر اندر ہلاکت والی پیشگوئی کی اشاعت سے اس کا آغاز کرنا درست نہیں ہے بلکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ خدا کی طرف سے آپ کو اشارے ہو چکے تھے کہ اندر مراد آبادی اور لیکھرام سے متعلق انذاری معاملات سے تمہیں آگاہ کیا جائے گا۔ اشتہار کے ذریعہ ان کو آگاہ کر دو کہ اگر ان کی طرف سے اجازت ہو تو یہ پیشگوئی شائع کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ جب خصوصیّت سے توجہ کی گئی تو الہام ہوا عِجْلٌ جَسَدٌ لَهٗ خُوَارٌ لہ نصب وعذابٌ۔ اور پھر جب ۲۰۔ فروری ۱۸۹۳ء کو عذاب کا وقت معلوم کرنے کے لئے توجہ کی گئی تو خدا نے چھ برس کے عرصہ میں لیکھرام کے ہلاکت میں مبتلا ہونے کی خبر دی۔ اس سے خوب کُھل جاتا ہے کہ انذاری الہام اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ اِس پہلو سے دیکھا جائے تو لیکھرام کی ہلاکت ٹھیک گیارہ سال پورے ہونے کے بعد ہوئی ہے۔ پس "بعد گیارہ انشاء اللہ" والا الہام اس پر بھی چسپاں ہوتا ہے اور کیونکہ یہ الہام اس واقعہ کے بعد کا ہے اِس لئے معلوم ہوتا ہے کہ اِس قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہونے والا تھا۔ چنانچہ اس کا ثبوت حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ۲۔ اپریل ۱۸۹۳ء کی ایک رؤیا سے ملتا ہے جس میں آپ کو لیکھرام اور ایک دوسرے شخص کی سزا دہی پر مامور شخص دکھایا گیا تھا۔

فرمایا: لیکھرام اور فرعون کی ہلاکت میں بعض چیزیں مشترک ہیں۔ دونوں ایک لمبے عرصہ تک دُکھ دیتے رہے لیکن انجام کو جلد پہنچ گئے اور اس دُنیا میں زیادہ دُکھ نہیں اُٹھایا۔ بعض لوگ اس کے نتیجہ میں سوال کرتے ہیں کہ اس انجام سے مزا کیا؟ دُنیا میں ذلّت و رسوائیاں دیکھتے تو ہم سمجھتے کہ واقعہ ہی انتقام ہے لیکن ایسے لوگ یا تو اپنے آپ کو خدا سمجھتے ہیں کہ ہم تقدیر بناتے تو بہتر بناتے یا پھر انہیں اِس بات پر ایمان ہی نہیں کہ عالم ایک

نہیں بلکہ دو ہیں اور خدا جیسی اختیار اور قدرت رکھنے والی ہستی کے لئے دونوں میں کوئی بھی فرق نہیں اسلئے اُن کے لئے ضروری نہیں کہ اسی دُنیا میں انہیں عذاب دے بلکہ مشاہدہ سے پتہ لگتا ہے کہ بسا اوقات نیکوں کو ایک لمبا عرصہ اس دُنیا میں دُکھ اُٹھانا پڑتا ہے لیکن قرآن و حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ گو ہر شخص کے لئے جہنّم کا نمونہ دیکھنا ضروری ہے مگر دوسری دُنیا کی جہنّم گناہوں میں بڑھ جانے والے خدا کے منکرین کے لئے ہی دیکھنی ضروری ہوا کرتی ہے۔ اس لئے خدا کے پاک بندوں پر تو جہنّم کا اطلاق صرف معنوی طور پر تکلیف کے معنوں میں ہوتا ہے اور یہاں کی تکلیفیں اس کا گناہ جھاڑنے اور سزائیں دُور کرنے کا موجب بن جاتی ہیں۔ پس اس مضمون کے پیشِ نظر ہی نبی کے دشمن کے لئے لمبے عذاب کی توقع رکھنی ناسمجھی اور خدا کی تقدیر کے فہم سے عاری لوگوں کی باتیں ہیں۔

فرمایا: دوسرا مشترک پہلو یہ ہے کہ فرعون اور لیکھرام کو اپنی اپنی ہلاکت کے بعد غیر معمولی شان و شوکت نصیب ہوئی مگر ان میں بنیادی فرق یہ ہے کہ فرعون کی لاش کو تو اس کی توبہ کی وجہ سے محفوظ رکھا گیا جبکہ لیکھرام کی لاش محفوظ نہیں رکھی گئی بلکہ اس کے انجام کو گوسالہ سامری کے انجام سے مشابہہ قرار دیکر حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کو آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ لیکھرام کی لاش کو جلا کر اس کی راکھ کو دریا میں بہا دیا گیا اور یعینہٖ یہی سلوک سامری کے بچھڑے سے ہوا تھا۔

فرمایا: جہاں تک لیکھرام کی عزّت کا سوال ہے حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے زمانہ میں بھی لوگوں نے ایسی باتیں کیں کہ اتنا بڑا نشان ظاہر ہوا ہے اس لئے اس کی عزّت خاک میں مل جائے گی اور اس کی قوم اسے چھوڑ دے گی لیکن گوسالہ کو معبود بنا کر دی جانے والی عظمت کا رنگ تو تبھی پورا ہو سکتا تھا کہ اسے بھی بہت بڑا مقام دیا جاتا۔ اس پہلو سے جب ہم لیکھرام کے انجام کو دیکھتے ہیں تو اس کے متعلق استعمال کئے گئے الفاظ بعینہٖ صورتِ حال پر صادق آتے ہیں۔ چنانچہ آریوں نے لیکھرام کی موت پر بہت کچھ ماتم کیا اسے شہیدِ اکبر، پیغمبرِ توحید، مصلحِ اعظم، صدر رئیل الشہداء، جرنیل اور محافظِ ملّت وغیرہ خطابات دیئے گئے۔ "آریہ مسافر" لاہور نے شہید نمبر نکال کر لکھا کہ شہید بھائیوں کی یاد کو تازہ رکھیں۔ چنانچہ اس کے ساتھ تعلق رکھنے والی قوم نے اس کے مشن کی تکمیل کو اپنا فریضہ بنا لیا اور یہ فیصلہ بھی ہوا کہ اس کی یاد میں ایک میموریل بھی قائم کیا جائے۔ بہر حال اس کی بہت عزّت افزائی کی گئی اور بعض لوگوں نے ظلم کی راہ سے حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بارہ میں یہ لکھا کہ مرزا صاحب کُھلم کُھلا یہ لکھا کرتے تھے کہ یہ شخص ہلاک ہو گا اور قتل کیا جائے گا اس لئے لازماً اس میں ان کا ہاتھ ہے۔ لیکن جہاں تک آپ کی قلبی کیفیات کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ اگر ہماری ہمدردی سے بچ سکتا تو ہم کبھی فرق نہ کرتے۔

فرمایا: یہ وہ رُوح ہے جو زندہ رہنے والی اور زندہ رکھنے کے لائق ضروری رُوح ہے۔ یہ مُردوں کو زندہ کرنے والی رُوح ہے۔ اپنی رُوح کو زندہ رکھنے کے لئے اس کا رجحان ضروری ہے۔ جماعت کو ایسے حالات میں یہ پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ ایک پاک دل انسان کو ایسے موقعوں پر کس قسم کا اظہار کرنا چاہیئے۔ ہرگز تعلّی و جھوٹی اور کھوکھلی خوشی کو اپنے دل میں جگہ نہیں دینی چاہیئے۔ اس کا سچّے اور پاک لوگوں کے دل سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسی خوشی زندہ کرنے کی بجائے ہلاکت کا موجب بن سکتی ہے۔ آپ کی نظر خالصتاً رضائے مولیٰ پر رہنی چاہیئے کہ اس کے نوشتے پورے ہوئے۔ اگر اِس بات کی خوشی ہے تو یہ خوشی انبیاء اور پاک لوگوں کی خوشی کے عین مطابق ہے۔

فرمایا: حضرت بانیٔ سِلسلہ عالیہ احمدیہ کے ہاتھ پر جو یہ معجزے دکھائے گئے یہ اُس عشق کے نتیجہ میں ہیں جو آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے رنگ میں بڑھ چڑھ کر باتیں کرنے والے بہتیرے ہوئے لیکن ان کے ساتھ لیکھرام جیسا معاملہ نہیں ہوا بلکہ صرف ایک لیکھرام تھا اور ایک ڈوئی تھا جن کا انجام ایسا ہوا کہ جو ایک ایسے دُکھی دل کی آواز ہے جو بعض دفعہ خدا کی تقدیر کو حرکت میں لاتی ہے اور پھر عذاب کی صورت میں دشمنوں پر پڑتی ہے۔ پس اس رُوح کو اگر آپ قائم رکھیں تو ہمیشہ کسی کی نفرت نہیں بلکہ کسی کی محبت معجزے دکھایا کرے گی۔ یاد رکھیں یہ دل کی صداقت ہے جو معجزے دکھاتی ہے یہ اتفاقی حادثات نہیں۔ اگر آپ کو خدا کے کسی مقدس اور برگزیدہ سے سچا عشق ہو اور اس کے خلاف گستاخیوں سے زندگی ایک عذاب بن رہی ہو تو ہو نہیں سکتا کہ اس وقت خدا کی غیرت ایک غیر معمولی جوش اور غضب کے ساتھ بیدار نہ ہو اور اپنے کرشمے نہ دکھائے۔

آخر پر حضورِ انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت اقدس بانیٔ سِلسلہ عالیہ احمدیہ کے زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے حالات پیدا ہونے کی جو خبریں دی گئیں خواہ وہ واقعات آپ کی وفات کے بعد ہوں وہ بھی آپ ہی کے زمانے کے اور آپ کی جو قدر خدا کے دِل میں تھی اس کے نتیجہ میں ان واقعات نے رُونما ہونا تھا۔ اس میں دوسری بات انذار سے تعلق رکھتی ہے اور جماعت کو استغفار کرتے ہوئے دعا میں مشغول رہنا چاہیئے کہ خدا اس انذاری پہلو کو ہمارے وقت میں پورا نہ فرمائے۔

فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے گوسالہ بنانے جیسے تکلیف دِہ واقعات کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیئے اور جماعت کا وہ طبقہ جو دُنیا کی طرف سے آرام میں ہے اسے ہمیشہ اپنے دل کا تجزیہ کرنا چاہیئے کہ وہ دُنیا کی دولتوں اور جاہ و حشمت سے متأثر تو نہیں ہو گیا اور جماعت کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دُنیا کی

دولتیں اور وجاہتیں اُن کے لئے بُت نہ بن جائیں اور خاص طور پر اس دَور میں جبکہ ہم حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے زمانہ سے سَو سال دُور ہو چکے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ دُوری عددی طور پر سالوں کی دُوری ہو لیکن روحانی رنگ میں دُوری نہ ہو۔ وعید کے رنگ میں ملنے والی عظمت تو کوئی عظمت نہیں۔ ایسی عظمتوں سے متأثر ہونے والے یہ سمجھیں کہ ان کے دل میں شرک پیدا ہو چکا ہے اور جس حد تک وہ کسی کی عظمت سے متأثر ہوتے ہیں اُسی حد تک ان کا مقام خدا کی نظر میں گرتا چلا جاتا ہے۔

فرمایا: جس شخص کے حق میں وعید ہو اس کے متعلق ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اب اس کا معاملہ خدا پر جا پڑا ہے لیکن خدا کی تقدیر ظاہر ہونے کے بعد بے وجہ ان بحثوں میں نہیں اُلجھنا چاہیئے۔ یہ بھی وقت کی ایک ضرورت ہے اس کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ اور خدا کی قدرت کے اظہار کے نتیجہ میں حمد وشکر کا مقام تو یہ ہے لیکن اس رنگ میں باتیں کرنا مناسب نہیں جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا فرعون اور لیکھرام ابوجہل تھا لیکن آپؐ کے دل کی عظمت دیکھیئے جب حضرت عکرمہؓ نے باپ کی وجہ سے ملنے والے طعنوں کی شکایت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو آپؐ نے سختی سے منع فرمایا کہ کوئی عکرمہؓ کو اس کے باپ کا حوالہ دے کر دُکھ نہ دے۔

فرمایا: یہ سچی عظمت اور سچا تقدس خدا سے تعلق کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔ اِن رسموں کو زندہ رکھیں۔ اِن سُنّتوں پر چلیں یہ آپ کی زندگی کی راہیں ہوں گی۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت پر عمل پیرا ہوں گے تو اس میں ہمارے لئے بہت برکتیں ہیں۔ ایسی صورت میں ہم دیکھیں گے کہ دشمنوں کی اولادیں اپنے باپوں کی طرف منسوب ہونے کی بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی طرف منسوب ہونے میں فخر سمجھیں گی۔ پس سُنّت میں عظمتیں اور دائمی فائدے ہیں اس لئے آجکل کے نازک وقتوں میں اپنے قدم پھونک پھونک کر رکھیں اور وہ باتیں کریں جو خدا کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور خدا کے نزدیک وہی پسندیدہ ہیں جو حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

خلاصہ خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۸۸ء بمقام لندن

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ ہُود کی درج ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:-

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ○

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰى نُوْحُۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَاۗءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝ (ہود: ۴۱ تا ۴۴)

فرمایا کہ اِن آیات کی تلاوت آج مَیں نے ایک خاص مقصد سے کی ہے۔ جہاں تک اس مقصد کا تعلق ہے بظاہر مَیں اس سیلاب کا ذکر کروں گا جس نے پاکستان اور بنگلہ دیش میں وہ تباہی پھیلائی ہے کہ دونوں جگہ کے موسمی ماہرین کی رائے کے مطابق گذشتہ سَو سال یا بعض نے یہ بھی کہا کہ تین سَو سال کی تاریخ میں ایسا خوفناک سیلاب پہلے کبھی نہیں آیا لیکن اس وقت میرا موضوع یہ سیلاب نہیں ہے اِس قسم کے سیلاب آتے بھی ہیں اور چلے بھی جاتے ہیں۔ یہ سیلاب بعض علامتیں ہیں اور بعض امور کی طرف متوجہ کرنے کے لئے آیا کرتے ہیں۔ وہ سیلاب جو نئے حادثاتی عوامل کا نتیجہ نہ ہوں بلکہ خدا تعالیٰ کی تقدیر کے غضب کو ظاہر کرنے والے ہوں اُن کا ایک پس منظر ہؤا کرتا ہے۔ اس میں آپ کو گناہوں کا ایک سیلاب دکھائی دے گا اور انہی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی تقدیر ایسی ظاہری آفات پیدا ہونے کا سامان فرمایا کرتی ہے۔ اِس لئے مومن کا کام یہ ہے کہ فراست سے خدا تعالیٰ کے اشاروں کو سمجھے اور ان امور کی طرف متوجہ ہو جدھر خدا تعالیٰ کی تقدیر کی انگلی اشارہ کرتی ہے۔

فرمایا: مسلمان ممالک خصوصاً ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں ایک وباء بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے اور وہ ہے "تصور یعنی نظریہ اور عمل کا تضاد" دونوں الگ الگ سمت میں رواں ہیں اور ان کے درمیان فاصلے بڑھ رہے ہیں چنانچہ جتنی زیادہ دینِ حق کو زندہ کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں اتنا زیادہ مسلمانوں کا عمل تنزل پذیر ہے اور ہر جگہ جُرم بڑھتا اور پھیلتا چلا جا رہا ہے اور واقعتہً ایک ایسے سیلاب کی شکل اختیار کر چکا ہے جس میں تمام کی تمام قوم غرق ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ پاکستان کے حالات خصوصیت سے قابلِ فکر ہیں جہاں ہر قسم کے جرائم دن بدن ترویج پا رہے ہیں۔ خلاصتہً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہاں جان، مال اور عزت کی کوئی حُرمت اور حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں رہی اور وہ ساری بدیاں جو بڑی بڑی طاقتور قوموں کو بھی ہلاکت کے گڑھے تک پہنچا دیا کرتی ہیں اپنا سر اُٹھا رہی ہیں اور معاشرے کو دن بدن معذور کرتی چلی جا رہی ہیں لیکن اِس وقت میرا مضمون پاکستان کے عمومی حالات کا ذکر نہیں بلکہ یہ ہے کہ جماعتِ احمدیہ جو اس سیلابِ معاصی میں ایک جزیرے کی حیثیت رکھتی ہے اس نے اپنے دفاع کے لئے اور اپنے آپ کو ان فتنوں سے بچانے کے لئے کیا کاروائی کی ہے اور وہ باشعور طور پر ہر جگہ اس سیلاب سے بچنے کے لئے کوئی کوشش کر رہی ہے یا نہیں۔

فرمایا: حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کو جس طوفانِ نوح کی خبر دی گئی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ بعض دنیاوی سیلابوں کا بھی ذکر کرتے ہیں لیکن جب ان سے بچاؤ کا ذکر کرتے ہیں تو دنیاوی ذرائع میں سے کسی کا کوئی ذکر نہیں ملتا بلکہ تمام باتیں وہ ہیں جن کا دین اور اخلاق کی درستگی سے تعلق ہے۔ اس کو روحانی بصیرت کہتے ہیں اور حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ چونکہ خدا شناس تھے اور اُس کے اشاروں کو اپنے زمانہ میں سب سے بہتر سمجھتے تھے اس لئے آپ نے سیلاب کے خطرات کے وقت بچنے کے وہ طریق بتائے جو دراصل سیلاب کے پس منظر سے بچنے کے طریق ہیں چنانچہ آپ نے اپنی جماعت کو یہ نصیحت فرمائی کہ ان آفتوں سے بچنے کیلئے اپنے نفس اور دل کی آفتوں سے بچاؤ کے سامان پیدا کرو۔ پس یہ کہنا کہ پاکستان یا بنگلہ دیش اور ہندوستان وغیرہ میں اخلاقی آفتیں ہیں ہمیں کچھ بھی فائدہ نہ دے گا جب تک کہ ہم اپنے آپ کو اس کشتی میں سوار نہ پائیں جو آفتوں سے بچانے کے لئے اس زمانہ میں حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے قائم فرمائی ہے۔ اس لئے مختصراً مَیں ان آفتوں کا ذکر کرتا ہوں جو اس وقت کثرت سے بالخصوص پاکستان میں پھیل رہی ہیں اور جماعت کو متوجہ کرتا ہوں کہ ان آفات سے بچنے کی فکر کریں اگر ایسا نہیں کریں گے تو پھر خدا کی پکڑ سے کوئی چیز بچا نہیں سکے گی۔

فرمایا: قرآن کریم نے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا جو تمثیلاً ذکر فرمایا ہے اس میں دراصل ایک پیغام اور مقصد ہے اور مراد یہ ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ خدا کا غضب بھڑکے کوئی دنیاوی اور جسمانی تعلق انسان کو بچا نہیں سکتا۔ ایک ہی کشتی ہے جو ایسے موقع پر انسان کو بچا سکتی ہے اور وہ اعمالِ صالحہ کی کشتی ہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے بھی اس زمانہ میں جو کشتی پیش فرمائی ہے وہ اعمالِ صالحہ ہی کی کشتی ہے۔ پس جماعت کا وہ حصہ جو اپنی کمزوریوں پر اصرار کرتا ہے اور خدا کے ظاہر ہوتے ہوئے غضب کو دیکھنے کے باوجود جرأت کرتا ہے اور اپنے حال پر قائم رہتا ہے اس کے متعلق نہ صرف یہ کہ کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی بلکہ یہ آیات بتا رہی ہیں کہ وہ خدا جس نے اپنے پیارے نوحؑ کے بیٹے کو بھی ایسے وقت میں استثنائی طور پر معاف نہیں فرمایا تو تم جو نسبتاً اَدنیٰ درجے کے لوگ ہو اور خدا کے کم پیاروں کی اولاد ہو تمہارے تحفظ کی بھی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ قرآن کریم کی آیات ہمیں متنبّہ کرتی ہیں کہ ایسے میں جبکہ خدا تعالیٰ نافرمانوں کی پکڑ کے فیصلے کرتا اور ان کے متعلق تعزیری کارروائی شروع فرما دیتا ہے ہرگز ایسی جُرأت نہ کرنا ورنہ بعید نہیں کہ خدا کی ستّاری کی چادر تم سے کھینچ لی جائے اور تمہیں بھی انہی سزاؤں کا سزاوار قرار دیا جائے جو خدا کے پیاروں کے معاندین کی سزائیں ہوا کرتی ہیں۔ پس اس تنبیہ اور تمہید کے ساتھ مَیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ احمدی ہونے کا اقرار کرکے جماعت کی چار دیواری میں داخل ہو جانا ہرگز کافی نہیں

ہے اور یہ خیال کر لینا کہ جماعتِ احمدیہ ماحول کی تمام بدیوں سے پاک ہے یہ جاہلانہ تصوّر ہے ناممکن ہے کہ جماعت میں وہ ساری بدیاں نہ پائی جائیں جو ماحول میں پائی جاتی ہیں بلکہ ضرور پائی جائیں گی اور مختلف سمتوں سے راہ پکڑ رہی ہوں گی۔ قرآن پاک نے حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی تاریخ بیان فرمائی ہے اور اس میں منافقین اور کمزوروں کا ذکر ہے یہ بھی حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے والے ذکر کی روح رکھتی ہے اور اِس بیان کا مقصود یہ ہے کہ مُزکّی آیا کرتے ہیں تو جو لوگ اپنے نفوس کو ان کے حضور تزکیہ کے لئے پیش نہیں کیا کرتے وہ مُزکّیوں کے وجود سے فائدہ نہیں اُٹھایا کرتے پس ضروری ہے کہ تم بھی اپنے نفوس کو ایک آنے والے مُزکّی کے حضور تزکیہ وصفائی کی خاطر پیش کر دو۔

حضورِ انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے پاکستان میں بالعموم پائی جانے والی بدیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ پاکستان کی جماعتیں انہیں اپنے اصلاحی پروگراموں میں پیشِ نظر رکھیں۔ یہ بدیاں مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں اور دن بدن بڑھ رہی ہیں اِس لئے ان کے خلاف جہاد کو ماضی کا قصّہ نہ بننے دیں۔ جماعتوں کی انتظامیہ کو چاہیئے کہ ایسے منصوبے بنائیں جن کے نتیجہ میں وہ پھر ان باتوں کو بُھول نہ سکیں مستقل طور پر کچھ لوگ نگران رہیں اور یوں تعمیر کی کارروائی پر نظر رکھنے والا نظام تشکیل دیں۔

فرمایا: ان بدیوں میں سے سب سے پہلے قابلِ توجہ بات نیّتوں کا فساد ہے۔ دُنیا میں جتنی بدیاں پھیلتی ہیں وہ نیّتوں کے فساد کی وجہ سے ہوتی ہیں جو مخفی طور پر دلوں میں جڑ پکڑتا ہے اور بدقسمتی سے ہماری قوم میں ہر جگہ آغاز ہی سے بَدنیّتی داخل ہو چکی ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں نیّت کا فساد نظر آتا ہے۔ بَدنیّتوں سے روکنے کے لئے تقویٰ کا معیار بلند کرنا اور لذّتوں کے معیار درست کرنا ضروری ہیں۔ یہ بڑا محنت طلب کام ہے جس کے لئے بچپن کا ابتدائی زمانہ سب سے زیادہ اہمیّت رکھتا ہے ورنہ جب وہ بڑے ہو جائیں تو پھر یہ کام مشکل ہو جاتا ہے اور جس بندے کی نیّتوں میں داخل ہو جائے اس کے متعلق آپ کوئی ضمانت نہیں دے سکتے۔ والدین کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جس قسم کی باتیں وہ گھر میں کرتے ہیں اُن کا سیلاب گہری چھاپ بن کر بچّوں کی زندگی پر نقش ہو جایا کرتے ہیں اور یہ نقوش ان کی زندگی کو بنانے یا بگاڑنے میں سب سے اہم کردار ادا کرتے ہیں اِس لئے سب سے پہلے گھروں کے ماحول کو اِس نیّت سے صاف اور درست کرنے کی ضرورت ہے کہ ماں باپ یقینی طور پر جان لیں کہ اِس معاملہ میں وہ خدا کے حضور جواب دِہ ہوں گے۔ اِس پہلو سے ایسے پروگراموں کی ضرورت ہے جس سے خاندانوں کو متنبّہ کرنے کی مشینری قائم ہو جائے اور ماں باپ کی تربیت کے سامان ہوتے رہیں۔ اِس کے علاوہ خدام، انصار اور لجنات میں نیّت کے موضوع پر تقاریر ہونی اور مقابلے کروانے چاہئیں کہ نیّتوں کا فتور کس طرح قوموں کو ہلاک کرتا ہے۔ اِس طرح قوموں کی تاریخ سے

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

ایڈیٹر

مرزا محمد الدین ناز

اس شمارہ میں

نومبر ۱۹۸۸ء

جلد نمبر ۲۹
شمارہ نمبر ۱۱

شرح چندہ

پاکستان —————— بیس روپے سالانہ

قیمت فی پرچہ:- دو روپے

پبلشر:- چوہدری محمد ابراہیم

پرنٹر:- قاضی منیر احمد

مطبع:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مقامِ اشاعت:- دفتر ماہنامہ انصار اللہ
دار الصدر جنوبی - ربوہ

ہمیں استفادہ کرنا چاہیئے۔ اور جماعتِ احمدیہ کیا طریق اختیار کرے کہ جس کے ذریعہ ہماری نسلیں پاک وصاف اور واضح نیّتوں کے ساتھ جوان ہو رہی ہوں۔ پس اِس کام کو صرف والدین پر ہی نہ چھوڑ دیا جائے بلکہ جماعت ان کی مدد کرے اور عملاً ان کو اِس قابل بنائے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت کر سکیں۔ ماں باپ کو تربیت کا سکول قائم کر کے بتایا جائے کہ یہ یہ بدیاں معاشرے میں جڑ پکڑ چکی ہیں ان سے بچّوں کو بچانا ضروری ہے ورنہ وہ اس کشتی سے باہر چلے جائیں گے جو اِس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے مومنین کی حفاظت کے لئے دوبارہ تعمیر فرمائی ہے۔

فرمایا: دوسرا پہلو کسی کی جان، مال اور عزّت سے کھیلنا ہے۔ یہ بدیاں بھی دن بدن ہمارے معاشرے میں پھیل رہی ہیں اور جماعت میں بھی داخل ہو رہی ہیں اِس لئے یہ تصوّر کرنا کہ ہم ان سے بہتر ہیں بالکل غلط طریق ہے۔ بہتر ہونا فخر کا نہیں شُکر کا مقام ہے۔ لیکن جتنا بہتر ایک الٰہی جماعت کو ہونا چاہیئے اگر اتنا بہتر نہ ہو تو پھر یہ قابلِ شرم بات ہے۔ جماعت کو دوسروں کو بچانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اِس لئے اگر معاشرے کو سنبھالنا ہے تو ان بدیوں سے جماعت کو کُلّیۃً اجتناب ضروری ہے اور جماعت کا معیار اِس پہلو سے بہت بلند ہونا چاہیئے۔ مال کی بدیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ تھوڑے مال کے ایک دم بہت بڑھ جانے کا لالچ دے کر پیسے ہتھیانے کا حربہ آجکل عام ہے ان لوگوں سے جماعت کو متنبہ رہنا چاہیئے یہ لوگ بددیانت ہیں ان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔ آپ کو کبھی ایسے روپے کے غلبہ سے مغلوب نہیں ہونا چاہیئے جس کے بارہ میں آپ کا نفس یہ کہہ رہا ہو کہ ایسا ہونا تو نہیں چاہیئے کہ یہ درست نہیں لگتا۔ پس نفس کے دھوکہ میں بھی نہ آئیں اگر ایسا ہو تو مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کبھی کوئی آپ کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ قرآن کریم کی حُرمت کو توڑے بغیر آپ اپنا نقصان نہیں کر سکتے۔ پس اِن حُرمتوں کو نہ توڑیں اور اِن کے خلاف اپنے نفسوں کو بغاوت نہ کرنے دیں تو آپ مقامِ محفوظ میں ہیں۔

فرمایا: جہاں بددیانتی عام ہو وہاں قمار بازی کا رُجحان عام ہوتا ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں چوری، دھوکہ دہی اور دوسروں کے مال کی حُرمت اُٹھ جاتی ہے۔ اگر یہ اڈے کسی جگہ ہوں اور نظامِ جماعت یا معاشرہ ان کے خلاف ردِّ عمل نہ دکھائے تو پھر یہ خطرناک اور مُہلک ہو جاتے ہیں اِس لئے نگرانی کی نظر کو سونے نہ دیں اور پھر اِس بنیادی اصول کے ساتھ اس پر نگاہ رکھیں کہ جو معاشرہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض بیماریوں سے کُلّیۃً پاک نہیں ہؤا وہ معاشرہ کبھی دُنیا میں کسی زمانہ میں بیماریوں سے پاک نہیں ہو سکتا۔

حضورِ انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جسم پر بیماریوں کے حملے سے بچاؤ کے لئے قائم شدہ الٰہی نظام

کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ اگر ہم ان پر غور کریں تو ان میں نظامِ جماعت کے لئے بہت سی نصائح ہیں جن میں سے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ان باتوں کی خبر رکھنا ضروری ہے کیونکہ جسم کے جس حصہ میں بیماری داخل ہو جائے اور خبر نہ ہو وہاں جسم کا کوئی ردِ عمل نہیں ہوتا۔ اس لئے جہاں جہاں نظامِ جماعت خبر گیری سے غافل ہو جاتا ہے وہاں یہ بیماریاں پنپنے لگتی ہیں۔

فرمایا: میں حفاظتِ خلافت کے خدائی نظام کے ذریعہ ان سے باخبر تو رہتا ہوں لیکن نظام کا جو حصہ اس بات پر مامور تھا کہ ان باتوں کی خبر رکھے اور مجھے مطلع کرے وہ غافل ہوتا ہے۔ بسا اوقات غلط باتوں کے بارہ میں اطلاع انفرادی خطوط کے ذریعہ مجھے ملتی ہے لیکن جماعتی اطلاعوں میں ان کا ذکر نہیں ہوتا اور اس خیال سے مجھے اطلاع نہیں دی جاتی کہ مجھے اس سے تکلیف پہنچے گی حالانکہ بُری اور غلط باتوں سے پہنچنے والی تکلیف تو ہماری بقا کے لئے ضروری ہے اس سے غفلت کے نتیجہ میں ہی مزید بیماریاں پھیلتی ہیں۔ یہ تکلیف تو حفاظت کی خاطر ہے۔ اگر ہماری جماعتوں میں بدی کو دیکھنے کے بعد تکلیف ہونا بند ہو جائے تو سمجھیں کہ یہ فالج زدہ جماعتیں ہیں اور معاشرہ مفلوج ہو رہا ہے اس لئے اس کی فکر کرنی چاہیئے۔ ان بُرائیوں کے مقابلے کے لئے پہلے نیتوں کا درست کرنا ضروری ہے پھر اپنے انفاس، شعور اور نگرانی کے نظام کی حفاظت ضروری ہے اور یہ دیکھنا ضروری ہے کہ انہیں تکلیف پہنچ رہی ہے یا نہیں۔ اگر تکلیف پہنچ رہی ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ اسی تکلیف سے زندگی پیدا ہوگی اور خدانخواستہ تکلیف ہونا بند ہو گئی ہے تو پھر اس سے زیادہ فکر کی ضرورت ہے۔ اللہ ہمیں اس عظیم ذمہ داری کو ادا کرنے کی توفیق دے جو ہم پر نہ صرف اپنی اصلاح کی بلکہ غیروں کی اصلاح کیلئے عائد کی گئی ہے۔ یہ مضمون آئندہ بھی جاری رہے گا۔

رزقِ حلال ——— (بقیہ صفحہ ۲۱)

ہیں کہ جو شخص روزی کے سلسلہ میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ کس ذریعہ سے آ رہی ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس بات کی پرواہ نہ کرے گا کہ اسے کس دروازہ سے دوزخ میں داخل کرے پس پہلی سیڑھی تو اخلاق کی کسبِ حلال ہے اگر یہ نہیں تو وہ انسانیت کی توہین کرتا ہے اور حیوان سے بھی بدتر ہے۔

پس ہمارے دوستوں کو اس بارہ میں بڑی احتیاط کرنی چاہیئے۔ ہماری دیانت کا معیار بہت اُونچا ہونا چاہیئے ہم نے ایک مامور کے ہاتھ پر دینِ حق کے احکام پر چلنے کا نیا عہد باندھا ہے خدا کرے کہ ہم اس پر ثابت قدم رہیں۔ آمین

جماعتِ احمدیہ بنی نوعِ انسان کی خدمت پر کمر بستہ ہے

حضرت امام جماعتِ احمدیہ کے دورۂ مشرقی افریقہ ۱۹۸۸ء کی مختصر رپورٹ

۱۱ ستمبر ۱۹۸۸ء بروز اتوار حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز دارالسلام سے میکومی کے لئے روانہ ہوئے وہاں رات قیام کے بعد ۱۲ ستمبر کو تقریباً ساڑھے بارہ بجے مورو گورو میں حضورِ انور نے احمدیہ بیت الشفاء کا افتتاح فرمایا۔ اس موقع پر ریجنل کمشنر۔ ڈپٹی کمشنر۔ ڈپٹی پارٹی چیئرمین۔ ممبر آف پارلیمنٹ۔ ریجنل میڈیکل آفیسر اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے سرکردہ افراد موجود تھے۔ حضورِ انور نے شفاخانہ کا معائنہ فرمایا اور شفاخانہ کی بہتری کے لئے موقع پر ہی ہدایات ارشاد فرمائیں۔ شام ساڑھے چار بجے مورو گورو شہر کے باہر KISNODA کے مقام پر حضورِ انور نے نئے احمدیہ بیت الشفاء کا سنگِ بنیاد رکھا اور اجتماعی دعا کرائی۔ اس موقع پر تقریباً تین صد حاضرین نے تقریب میں شرکت کی۔ علاقہ کی سرکردہ شخصیات بھی وہاں موجود تھیں۔ اس موقع پر حضورِ انور نے اپنے خطاب میں اس بات پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا کہ تنزانیہ میں پہلے احمدیہ ہسپتال کا سنگِ بنیاد رکھا جارہا ہے۔ حضورِ انور نے مغربی افریقہ میں جماعتِ احمدیہ کی طبّی اور تعلیمی میدان میں خدمات کا بھی ذکر فرمایا۔ حضورِ انور نے اس جگہ ایک ہومیوپیتھک ڈسپنسری کھولنے کے ارادہ کا بھی ذکر کیا۔ حضورِ انور کے خطاب کے بعد جناب ریجنل کمشنر صاحب نے تقریر کی اور ہسپتال کے افتتاح پر خوشی کا اظہار کیا۔

نمازِ مغرب وعشاء کے بعد بیت الذکر احمدیہ مورو گورو میں مجلسِ عرفان منعقد ہوئی۔ اس میں حضورِ انور نے احباب کے سوالات کے جوابات دیئے۔ مثلاً طلوع الشّمس من المغرب کے کیا معنیٰ ہیں؟

شام ۸½ بجے مورو گورو ہوٹل میں ایک عشائیہ تقریب منعقد ہوئی جس میں ریجنل کمشنر۔ ممبر پارلیمنٹ۔ ریجنل پارٹی چیئرمین۔ ایریا کمانڈر اور دیگر اہم شخصیات نے شرکت کی۔ ریجنل کمشنر نے اپنے خطاب میں کہا کہ مورو گورو کے لئے یہ امر قابلِ فخر ہے کہ ایک بین الاقوامی مذہبی لیڈر ہم میں موجود ہیں۔ حضورِ انور نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ مذہب کی بنیاد یہ ہونی چاہیئے کہ وہ باہمی پیار ومحبّت کی تلقین کرے لیکن افسوس ہے کہ آج مذہب

اور خدا کے نام پر سب سے زیادہ نفرت پھیلائی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کے نام پر اس کی مخلوق میں نفرت پھیلائی جائے۔ کیا ماں یہ پسند کر سکتی ہے کہ کوئی اس کے بچّوں کے درمیان ایکدوسرے کے خلاف نفرت پھیلائے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان خود اپنے نام پر نفرت پھیلانے کی تلقین کرے۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ جو تحریکات مذہب کے نام پر لوگوں کے درمیان نفرت پھیلاتی ہیں اُن کے پیچھے سیاست کام کر رہی ہوتی ہے۔ حضورِ انور نے بتایا کہ جب مغربی افریقہ کے دَورہ کے دَوران سیرالیون کے صدرِ مملکت سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میرا یہ اصول ہے کہ مذہب کو سیاست میں دخل نہیں دینا چاہیئے اور انہوں نے بتایا کہ جب سے جماعتِ احمدیہ اِس ملک میں آئی ہے اس نے سیاست میں کبھی دخل نہیں دیا۔ حضورِ انور نے فرمایا کہ یہ اصول درست ہے لیکن نامکمل ہے۔ اس کا دوسرا حصّہ یہ ہے کہ سیاست کو بھی کبھی مذہب میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیئے۔

۱۳ ستمبر کو حضورِ انور صبح نو بجے موروگورو سے ڈوڈوما کے لئے روانہ ہوئے جہاں تقریباً ایک بجے نمازِ ظہر و عصر کی ادائیگی کے ذریعہ حضورِ انور نے ڈوڈوما میں نو تعمیر شدہ احمدیہ بیت الحمید کا افتتاح فرمایا۔ اِس موقع پر علاقہ کے معزّزین سے ایک مختصر خطاب میں فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور پھر آپ تمام دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ یہاں تشریف لائے اور آج کی تقریب میں شرکت کی۔ فرمایا بیت الذکر کے افتتاح کے موقع پر کسی عزم کی ضرورت نہیں۔ بیوت الذکر اللہ تعالیٰ کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ سب سے اہم اور عظیم مسجد مسجدِ نبوی تھی اور سب سے پہلا عبادت کا گھر خانہ کعبہ تھا۔ یہ سادہ سی بلڈنگ تھی اور کسی فنِ تعمیر کا شاہکار نہ تھی۔ مسجدِ نبوی پر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس کی چھت ٹپک رہی ہوتی تھی۔ فرمایا بیت الذکر کے افتتاح کی خوشی ہوتی ہے لیکن ہمیشہ یہ احساس بھی رہتا ہے کہ اگر یہ باتیں رسومات کی حد تک ہی محدود رہیں تو آئندہ زمانہ میں کیا ہوگا۔ پھر صرف یہی خیال ہوگا کہ کس نے بنائی اور کس نے افتتاح کیا۔ جب بھی آپ کسی ایسی جگہ کے بارے میں سوچیں جو خدا کی عبادت کے لئے استعمال ہوتی ہو تو یہ سوچیں کہ آیا وہاں خدا موجود ہے یا نہیں۔

فرمایا: آج مساجد اور چرچوں کے بارہ میں ایک افسوسناک صورت یہ ہے کہ مسجدیں اور چرچ خدا کی عبادت کی بجائے سیاست کے لئے استعمال ہو رہے ہیں جہاں نفرت اور تشدّد کی تحریک ہوتی ہے۔ وہ مقصد جس کے لئے مساجد بنائی جاتی ہیں وہ بھلا دیا جاتا ہے۔ فرمایا مساجد کی GLORY (عظمت و شان) ان کے تعمیراتی فن میں نہیں ہوتی ہے بلکہ خدا کی PRESENCE (موجودگی) سے ہوتی ہے۔ دُنیا میں

لاکھوں کی تعداد میں مساجد اور چرچ موجود ہیں وہاں لوگ جاتے بھی ہیں لیکن کیسے کہہ سکتے ہیں کہ لوگ وہاں عبادت کی خاطر جاتے ہیں یا دکھاوے کی خاطر یا بطور عادت۔ اس کا ایک طریق یہ ہے جو بہت آسان ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ جن لوگوں کی صحبت آپ اختیار کرتے ہیں ان کے اخلاق و اطوار کا آپ پر اثر ہوتا ہے۔ اگر آپ آگ کے پاس بیٹھتے ہیں تو گرمی محسوس کرتے ہیں اس طرح اچھی صحبت کے اچھے اثرات ہوتے ہیں۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص خدا کی صحبت میں رہا ہو اور اس پر کوئی اثر نہ ہوا ہو۔ اگر کوئی شخص مسجد یا چرچ جانے سے قبل بداخلاق بداطوار اور گندی حرکات کا مالک تھا اور چرچ یا مسجد سے باہر آنے کے بعد اس کا وہی حال ہے تو پھر وہاں جانے سے کیا فائدہ ہوا۔ فرمایا ہمارے زمانہ کا سب سے بڑا DILEMMA یہی ہے کہ اسلام اور عیسائیت اور دیگر مذاہب میں نئی تحریکات پیدا ہوتی رہتی ہیں لیکن اس کے باوجود انسان بدی کی طرف زیادہ مائل ہو رہا ہے۔ قتل و غارت، لڑائی جھگڑا، بددیانتی دن بدن بڑھ رہی ہے۔ دنیا کے کسی ملک میں چلے جائیں بدی میں اضافہ ہوتا نظر آرہا ہے۔ پس وہ کونسا خدا ہے کہ جس کی عبادت کرنا ان کو بہتر نہیں بناتا، جو ان کی فطرتوں میں تبدیلی نہیں کرتا۔ مغربی افریقہ اور مشرقی افریقہ کے دورہ کے وقت بھی یہ بات بار بار سامنے آتی رہی کہ لوگ دن بدن بدی کی طرف زیادہ مائل ہو رہے ہیں۔ دوسروں کی جائیداد لوٹنا، جھوٹ بولنا، بددیانتی اور اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ ہم ایک مذہبی سوسائٹی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام مذہبی تحریکات جو تشدد کا سبق دیتی ہیں وہاں مذہب لوگوں کو خدا کے قریب آنے کا باعث نہیں ہوتا۔ فرمایا قیامت کے دن خدا اُن سے پوچھے گا تم نے کس قدر لوگوں کو بدی سے ہٹایا۔ بطور مذہبی لیڈر یہ سب اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو خدا کے قریب لائیں اور ان کو بدیوں سے بچائیں۔ فرمایا جس شخص نے بھی یہاں پہلی نماز خدا کے لئے پڑھی وہی دراصل اس کا افتتاح کرنے والا ہے۔

فرمایا مسجدیں تمام لوگوں کے لئے ہوتی ہیں خواہ وہ مسلمانوں کے کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ اگر وہ عیسائی ہوں تو بھی وہ یہاں خدائے واحد کی عبادت کر سکتے ہیں۔ جو لوگ بھی نمازوں کے لئے یہاں آئیں وہ خدا کا قُرب تلاش کریں اور جب وہ نماز پڑھ کر باہر نکلیں تو سوچیں کہ کیا وہ پہلے سے بہتر ہو کر باہر نکلے ہیں یا بغیر کسی فرق کے۔

اس موقع پر حاضرین میں ریجنل کمشنر، ڈسٹرکٹ چیئرمین ریجنل، پارٹی چیئرمین وغیرہ شامل تھے۔ اس بیت الذکر کی تعمیر کا خرچ انگلستان کے بعض مخلص احمدی دوستوں نے برداشت کیا ہے۔ شام پانچ بجے احمدیہ بیت الحمید میں مجلس عرفان منعقد ہوئی جس میں احباب نے مختلف سوالات کئے جن کے حضور نے نہایت بصیرت افروز جوابات ارشاد فرمائے۔ چند اہم سوال یہ تھے:-

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو کیوں پیدا کیا؟ خدا تعالیٰ خلیفہ کس طرح مقرر فرماتا ہے؟ کَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ کا کیا مفہوم ہے؟ ربّ المشرقین اور ربّ المغربین کے کیا معنی ہیں؟

یہ مجلسِ عرفان رات آٹھ بجے تک جاری رہی۔ رات ساڑھے آٹھ بجے ڈوڈوما ہوٹل میں عشائیہ کا اہتمام کیا گیا۔ اِس موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے اِس علاقہ میں آکر بہت خوشی ہوئی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ دُنیا میں جہاں جہاں بھی احمدی پائے جاتے ہیں جو مجھے اپنا لیڈر مانتے ہیں جب مَیں ان ملکوں میں جاؤں تو مَیں سمجھتا ہوں کہ مَیں ان میں سے ایک ہوں۔ آج احمدیت ۱۱۶ ممالک میں پائی جاتی ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ مَیں ان تمام ممالک سے تعلق رکھتا ہوں۔ حضور نے فرمایا کہ یہی پیغام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے متعلق فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے رَحْمَةً لِّلْمَشْرِقِ یا رَحْمَةً لِّلْمَغْرِبِ نہیں فرمایا بلکہ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ فرما کر شرق وغرب کی تقسیم ختم کر دی ہے۔ حضور نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے۔ اسلام محبّت کے لئے نہ کہ نفرت کیلئے لیکن افسوس ہے کہ آج بعض اسلامی حکومتوں کے غلط رویّوں کے باعث اسلام تشدّد، سزا اور سختی کا مذہب تصوّر کیا جاتا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ بطور خادمِ احمدیت میری یہ ذمّہ داری بھی ہے کہ مَیں بتاؤں کہ احمدیت کا پیغام محبّت اور پیار کا پیغام ہے۔ یہی وہ دینِ حق ہے جو ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہے اور یہی وہ دین ہے جس کی ہم اشاعت کرتے ہیں۔ حضور نے خطاب کے آخر پر فرمایا کہ میرے دل میں آپ کی قدر ہے۔ مجھے آپ سے محبّت ہے۔ خدا کی مخلوق سے محبّت میرا مدّعا اور مقصود ہے۔

بدھ ۱۳ ستمبر کو صبح آٹھ بجے حضور ڈوڈوما سے دارالسّلام کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں مورو گورو میں دوپہر کے کھانے کے لئے قافلہ رُکا۔ اُسی شام حضور ایدہ اللہ تعالیٰ شیخ امری عبیدی مرحوم کی قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں مرحوم کی بلندیٔ درجات کے لئے دعا کی۔ بعد ازاں حضور وزیرِ اعظم سے ملاقات کے لئے پرائم منسٹر ہاؤس تشریف لے گئے۔ حضورِ انور نے جنابِ وزیرِ اعظم کو جماعت سے متعارف کروایا اور بتایا کہ جماعتِ احمدیہ ایک مذہبی جماعت ہے جو بنی نوع انسان کی خدمت پر کمربستہ ہے۔ حضور نے فرمایا کہ تنزانیہ کو MORAL REORNAMENT کی ضرورت ہے۔ جب تک لوگوں کے اخلاق درست نہ ہوں وہ کسی بھی آئیڈیالوجی کی ترغیب کے لئے تیار نہیں ہوسکتے۔

جنابِ وزیرِ اعظم نے کہا کہ آپ نے اپنے دورہ میں ہمارے ملک کے لئے بہت ہی عمدہ کام کیا ہے اس کے لئے مَیں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

قریباً ایک گھنٹہ تک نہایت خوشگوار اور دوستانہ ماحول میں یہ ملاقات جاری رہی۔ حضورِ انور نے

اِس موقع پر مختلف زبانوں میں جماعت کی طرف سے شائع شدہ قرآن کریم کے تراجم بطور تحفہ پیش کئے جنہیں وزیرِ اعظم نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔

احمدیہ بیت الذکر دارالسلام میں نمازِ مغرب و عشاء کے بعد حضور نے احبابِ جماعت تنزانیہ سے الوداعی خطاب فرمایا جس میں حضورِ انور نے سب احباب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا آپ میرے یہاں آنے پر ملک کے مختلف حصوں سے سینکڑوں میل کا سفر کرکے یہاں پہنچے میری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ عظیم عطا کرے۔ اور دین و دُنیا میں آپ کا حامی و ناصر ہو۔ فرمایا آپ کے ملک کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ یہاں اخلاقی قدروں کو قائم کیا جائے اور یہ کام جماعتِ احمدیہ کے سوا کوئی اَور نہیں کر سکتا اِس لئے آپ سب سے پہلے اپنی اصلاح کریں۔ سچائی، دیانتداری اور خوش اخلاقی کو اپنائیں اور پھر اپنے غیر از جماعت ساتھیوں تک بھی جائیں اور انہیں سچ بولنے، بُری عادات کو چھوڑنے، جھُوٹ سے پرہیز کرنے اور اَخلاقی اقدار کو قائم کرنے کی تلقین کریں۔ حضور نے افریقہ میں غربت و افلاس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ آپ سارے ملک میں یہ پیغام لے کر نکلیں کہ ہم نے اپنے ملک کا نقشہ تبدیل کرنا ہے۔ آپ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ کو اپنانا لازمی ہے اور ضرورت ہے کہ آپ ملک کی از سرِ نَو تعمیر کے لئے پوری پوری کوشش کریں۔ وقارِ عمل کے ذریعہ مختلف کام شروع کریں تاکہ آپ ملک کی خدمت کر سکیں۔ حضور نے فرمایا کہ میرا آخری پیغام یہ ہے کہ ہمّت و محنت سے کام کریں اور سارے ملک میں احمدیت پھیلانے کا عزم کر لیں۔ اور ملک کے ہر گوشہ میں پہنچیں اور احمدیت کو پہنچائیں۔ آج دُنیا میں امن کا صرف ایک رستہ ہے اور وہ احمدیت ہے۔ ہم انہیں ہلاکت اور تباہی سے بچا سکتے ہیں۔ فرمایا جب مَیں یہاں سے واپس جاؤں تو مَیں چاہوں گا کہ آپ اخلاقی قدروں کو قائم کرنے کیلئے پہلے سے بڑھ چڑھ کر کام کریں۔ فرمایا آج آپ کی تعداد دس ہزار ہے جب دوبارہ یہاں آؤں تو آپ کی تعداد ایک ملین ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا کرے کہ آپ احمدیت کا پیغام پہنچانے والے ہوں اور ملک کے ہر حصّہ میں کثیر تعداد میں جماعت قائم ہو جائے۔ آخر میں حضور نے پُرسوز اجتماعی دعا کروائی۔ اِس کے بعد بَیت الذکر سے ملحقہ مشن ہاؤس کی لائبریری میں مجلسِ عاملہ تنزانیہ کی میٹنگ میں حضور نے عہدیدارانِ جماعت کو متعدد نہایت قیمتی ارشادات سے نوازا اور تنزانیہ میں جماعت کی ترقی و اشاعت کے سلسلہ میں مختلف ہدایات ارشاد فرمائیں۔ مجلسِ عاملہ کی میٹنگ کے اختتام پر تمام عہدیداران نے حضورِ انور کے ساتھ تصاویر بنوائیں۔

۱۵ ستمبر کو بعد نمازِ فجر دارالسلام تنزانیہ سے ماریشس کے لئے روانگی ہوئی۔ پونے بارہ بجے حضور ماریشس پہنچے۔ ایئرپورٹ پر وی آئی پی لاؤنج میں اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی کے نمائندگان کے ساتھ

(باقی صفحہ ۳۸ پر)

جب چاہے خدا کی تقدیر اِن کا رُخ پلٹ سکتی ہے

پانچویں یورپین سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ کی مختصر رپورٹ

منعقدہ ۷-۸-۹ اکتوبر ۱۹۸۸ء بمقام اسلام آباد (یوکے)

کُل ۱۵۵ خدام نے اس میں شرکت کی۔ U.K. کے علاوہ جرمنی، فرانس، ہالینڈ اور ناروے وغیرہ سے خدام تشریف لائے۔ حضورِ انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اس اجتماع کے تین ایّام میں سے ۲ دو دن مجلسِ عرفان میں جلوہ افروز ہوئے اور خدام کے سوالات کے جواب دیئے۔ خدام کی حوصلہ افزائی کے لئے حضورِ انور ورزشی مقابلہ جات دیکھنے کے لئے بھی تشریف لے جاتے رہے۔ آخری اجلاس میں حضورِ انور نے تقسیم انعامات کے بعد جو خطاب فرمایا اس کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:-

فرمایا: اللہ تعالیٰ کے فضل سے یورپین خدام الاحمدیہ کا اجتماع بخیر و خوبی اختتام کو پہنچ رہا ہے۔ جیسا کہ آپ نے سُنا کہ اِس اجتماع میں یورپ سے جس قدر مہمانوں کی توقع تھی وہ کسی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے۔ اور ساتھ یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ U.K. سے بھی خدام کما حقہٗ شریک نہیں ہو سکے۔

فرمایا: خدام و انصار کے اجتماعات میں شرکت کی کمی کا رجحان قابلِ تشویش ہے۔ ان میں شامل ہونیوالوں کے اندر نئے ولولے، نئی اُمنگیں جاگتیں اور جماعت پر اُن کا اعتقاد اور ایمان بہت بڑھ جاتا ہے اور ان اجتماعات میں شامل ہونے والے بہت سے خاموش فیصلے کرتے ہیں۔ ہر اجتماع اور جلسہ سے جب مہمان واپس جاتے ہیں تو اُن کے خطوں سے اُن کے فیصلوں کا مجھے علم ہوتا ہے جو اُن کے دل خاموشی سے دورانِ اجتماع کرتے ہیں اور پھر یہ فیصلے اُن کی کایا پلٹ دیتے ہیں۔

حضورِ انور نے ذکرِ الٰہی کی مجالس میں فرشتوں کے نزول والی حدیث کے حوالے سے بتایا کہ ہر اجتماع میں شرکت کرنے والے ان سے بہت سی برکتیں پاتے ہیں کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو اِس

تمثیل کے ذریعہ یہ خوشخبری دے رکھی ہے کہ ان مجالس میں بلاارادہ بیٹھنے والے بھی خدا کی رحمتوں اور برکتوں سے حصہ پا جاتے ہیں۔ حضورِ انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہے تو تمثیل لیکن اس میں جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے وہ بعینہٖ درست اور حق ہے اور ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ جماعت کے اجتماعات اور جلسوں میں وہ شامل ہونیوالے بھی برکات پا جاتے ہیں جو کسی اور غرض سے آتے ہیں۔ اِس ضمن میں بعض واقعات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ حضرت مصلح موعود نوّر اللہ مرقدہٗ کے زمانہ میں چار سی۔آئی۔ڈی انسپکٹر احمدی ہوئے حالانکہ وہ منفی مقاصد کیلئے اور رپورٹ کی تیاری کے لئے آتے ہوئے تھے مگر ان کی برکت سے احمدی ہو گئے اور پھر مخلص احمدی رہے۔

حضورِ انور نے اپنے امریکہ اور افریقہ کے دَورہ کے دَوران اپنے ساتھ پیش آنے والے بھی بعض واقعات کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ پروٹوکول اور دیگر کاموں کے لئے حکومت کی طرف سے ہمارے ساتھ آدمی لگائے گئے تھے لیکن وقت کے ساتھ دَورہ میں ہی ان کے اطوار میں فرق پڑنے لگ جاتا۔ چنانچہ ایک ملک میں ایسے ہی دو افراد نے بیعت بھی کی۔

فرمایا: یہ واقعہ ایک دفعہ نہیں بارہا ہو چکا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سَو سال پہلے تمثیلاً جو بات بتائی تھی بعض دُنیادار اور شک کی نظر سے دیکھنے والے سمجھتے ہوں گے کہ یہ محض کہانیاں ہیں، کہاں فرشتے اُترتے ہوں گے لیکن ہم نے ایک دفعہ نہیں بیسیوں دفعہ اس کا مشاہدہ کیا ہے یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بات آج بھی پوری ہو رہی ہے اور کل بھی پوری ہوگی۔

حضورِ انور نے اِن اجتماعات میں شرکت کا رجحان پیدا کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آئندہ سے خدام و انصار کو بہت پہلے سے ہی ایسی مہم جاری کرنی چاہیئے کہ کثرت سے ایسی مجالس میں خدام و انصار اور اسی طرح لجنہ بھی جبکہ ان کی مجلس ہو شامل ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو اس کے نتیجہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ خدا کے فضل سے بہت نمایاں تبدیلیاں پیدا ہوں گی۔

حضورِ انور نے اِن اجتماعات پر غیر از جماعت کو بھی لانے کی تلقین فرمائی اور بتایا کہ ربوہ میں ایسے ہی آنے والوں میں سے ہر سال کچھ نہ کچھ بیعتیں ہو جایا کرتی تھیں چنانچہ اِسی وجہ سے ہمارے مخالفین نے ربوہ میں ہونے والے کھیلوں کے اجتماعات کے خلاف اعتراض کیا اور حکومت سے دِل آزاری کا بہانہ بنا کر انہیں بند کروا دیا گیا۔

فرمایا: ان کی دِل آزاری کھیلوں کی وجہ سے نہیں بلکہ کھیلوں کے اُن اثرات کی وجہ سے ہوتی تھی اور وہ جانتے تھے کہ احمدی خواہ کھیلوں کے لئے اکٹھے ہوں گے ان کے مذہبی اور روحانی مشاغل ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ اِسی وجہ سے آج ہمارے اسیرانِ راہِ مَولیٰ جیلوں میں بکثرت احمدی بنا کر سُنّتِ یوسفی کو زندہ

کر چکے ہیں اِس لئے اِن میں شرکت کو ہلکا نہ سمجھیں اور انہیں ایسا نہ بنایا جائے کہ کچھ شامل ہو جائیں تو ٹھیک اور اگر شامل نہ ہوں تو کچھ فرق نہیں پڑتا بلکہ بکثرت شرکت سے ان کے بہت اچھے نتائج ظاہر ہوں گے۔

مختلف مقابلوں کے معیار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ معیار کسی حد تک اچھا رہا ہے مگر ابھی بہت سا خلاء ہے۔ اپنے معیار کو بہت بلند کرنے اور ان خلاؤں کو بھرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ایک احمدی بچے کو جس قدر معلوم ہونا چاہیئے ابھی اتنا اُسے معلوم نہیں۔

فرمایا: وقتی میلانات تو بعض اوقات پلٹ جایا کرتے ہیں لیکن مستقل ضمانت تو منتظمین ہی کے ذریعہ دی جاسکتی ہے اِس لئے آج کے بعد خدام الاحمدیہ کو اِس طرف پوری توجہ کرنی چاہیئے اور بہت سے مستعد خدام کو علمی اور تربیتی کاموں کی طرف ڈالنا چاہیئے۔ کھیلوں کے معیار خدام کی توجّہ کے محتاج نہیں کیونکہ جس ملک میں ہم رہ رہے ہیں وہاں پہلے ہی سے اس کی طرف بہت توجہ ہے مگر جہاں تک دینی معلومات کا اور حالت کا تعلق ہے وہ تمام تر ہماری تنظیموں پر عائد ہوتی ہے۔ کھیلوں کے پہلو سے صرف بار بار خدام کو بتانے کی ضرورت ہے کہ آپ اپنی جسمانی صحت سے غافل نہ رہیں اور جہاں جہاں رہتے ہوں وہاں وہاں اپنے علاقہ یا اپنے سکول میں ہمّت کے ساتھ یہ ارادہ کر کے ان میں حصّہ لیں کہ آپ نے ایک احمدی کی حیثیت سے ان میں شامل ہونا ہے اور نام پیدا کرنا ہے تاکہ آپ کے نام کے ساتھ دین کا نام بھی روشن ہو۔ اِس پہلو سے اگر حصّہ لیں گے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت برکتیں آپ کو ملیں گی۔

فرمایا: مَیں کل بھی اور آج بھی کھیلوں کے مقابلے دیکھتا رہا ہوں۔ مَیں نے جائزہ لیا ہے کہ ہماری کھیلوں کا معیار دُنیا کے معیاروں سے بہت پیچھے ہے۔ فرق بہت زیادہ ہے۔ اس کی توقع تو تھی ہی لیکن اس کے لئے اگر خاص طور پر خدام کو مختلف کھیلوں کے عالمی ریکارڈ سے وقتاً فوقتاً مطلع کیا جایا کرے تو اس سے ہمارے نوجوانوں کی کھیلوں کا معیار بہت بلند ہو جائے گا۔ اگر معلومات مہیّا کی جائیں تو دلچسپی بھی بڑھتی ہے اور فائدہ بھی ہوتا ہے اور اپنا معیار جانچنے کا موقع ملتا ہے اور اِس طرح انسان آگے بڑھتا ہے۔

آخر پر ایک اَور مقابلے کی طرف توجّہ دلاتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ یہ مباہلے کا مقابلہ ہے جو جاری ہو چکا ہے ہر احمدی کو اس میں تماشہ بین کی طرح نہیں بلکہ حصّہ لینے والوں کی طرح شامل ہونا چاہیئے آپ میں سے جتنے اس میں شامل ہوں گے اتنے ہی زیادہ برکتیں اور نشانات ظاہر ہوں گے۔ فرمایا اِس مباہلہ کے نتیجہ میں جبکہ خدا نے نصرت کے نشان دکھائے ہیں۔ دُنیا بھر سے بکثرت بیعتوں کے خطوط ملنے لگے ہیں۔ ان کا تعلق صرف پاکستان و ہندوستان سے نہیں بلکہ فجی، امریکہ، یورپ اور افریقہ سے بھی

اداریہ

ایک علمی بحث

جناب حامد میر صاحب نے حال ہی میں روزنامہ جنگ جمعہ میگزین میں "مباہلہ — آخری مرحلہ" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا ہے اور اس سے پہلے جناب طاہر القادری صاحب کی طرف سے علاوہ دیگر بیانات کے "مرزا طاہر احمد کے نام کھلا خط" روزنامہ جنگ لاہور ۲۰ ستمبر ۱۹۸۸ء میں شائع ہؤا۔ اِن دعاوی کی حقیقت کیا ہے اور مسئلہ کی نوعیّت کے اعتبار سے فریقین پر کیا لازم آتا ہے اس کے لئے قرآن کریم ہی صحیح رہنمائی کرسکتا ہے۔

چنانچہ اِس مسئلہ پر جو آیت روشنی ڈالتی ہے وہ سورۃ آلِ عمران کی آیت نمبر ۶۲ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○

ترجمہ:۔ اب جو شخص تیرے پاس علمِ الٰہی کے آچکنے کے بعد تجھ سے اس کے متعلق بحث کرے تو تُو اسے کہہ دے کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے نفوس کو اور تم اپنے نفوس کو پھر گڑگڑا کر دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ڈالیں۔

اِس آیت کے شروع کے الفاظ فریقین کی تعیین کرتے ہیں۔ ایک فریق مَنْ حَآجَّ میں بیان ہے اور دوسرا فریق کافِ خطاب میں مذکور ہے۔ مَنْ حَآجَّ سے دو امور بڑے واضح طور پر اُبھرتے ہیں۔ ایک امر تو "مَنْ" کی عمومیّت ہے کہ ہر فریقِ مخالف مراد ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں کہ ہندو، عیسائی یا یہودی مراد ہیں بلکہ ہر فریق جو نازل شدہ صداقت کا انکار کر رہا ہے اس میں داخل ہے۔ دوسرا امر حَآجَّ سے مستنبط ہوتا ہے کہ اس فریق پر بحث و تمحیص سے اتمامِ حُجّت ہوگئی ہو اور اب صرف کج بحثی کی شکل ہو۔

دوسرا فریق کافِ خطاب ہے جس کی تشریح میں "مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ" آیا ہے کہ وہ خدا سے ہمکلام ہونے والی ہستی ہو نیز علمِ الٰہی اور الہام سے مشرّف ہو۔ جہاں تک الہامِ الٰہی کا تعلق ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، صوفیاء و اولیاءِ اُمّت میں یہ اصل شائع و متعارف ہے۔ چنانچہ مکتوباتِ امام ربّانی حصّہ

ہے ۔ اور لکھنے والے لکھتے ہیں کہ یہ اعجازی نشان دیکھ کر ہم پوری شرح صدر کے ساتھ شامل ہو رہے ہیں۔ فرمایا وہ لوگ جو براہِ راست تکلیف کے ذریعہ پھل پانے سے محروم رہتے ہیں اُن کے لئے اِس موقع پر اِس رنگ میں شامل ہونے کا ایک وقت میسّر آ گیا ہے اس وقت میں وہ مباہلے کی تیاری کریں ۔ فرمایا نشانات کا سلسلہ جو جاری ہو چکا ہے وہ رُکنے والا نہیں کیونکہ جب خدا کی طرف سے یہ سلسلہ جاری ہو تو اس کا کوئی منتہاء بھی ہؤا کرتا ہے۔ مباہلوں اور روحانی مقابلوں کے نتیجہ میں فیصلہ خدا کی اُن دو اُنگلیوں کے درمیان ہؤا کرتا ہے جن کے درمیان دل بے اختیار ہؤا کرتے ہیں کہ جس طرف چاہے جب چاہے خدا کی تقدیر ان کا رُخ پلٹ سکتی ہے۔ اِس لئے آپ اپنی عبادت کے معیار کو بڑھائیں۔ گناہوں کو جھاڑنا، کمزوریوں کو دُور کرنا شروع کریں، محض للہ بعض تبدیلیاں پیدا کریں اور دعائیں کریں کہ اے خدا تُو احمدیت کے دشمنوں کے دلوں میں تبدیلیاں پیدا کر اور ایسے اعجازی نشان دکھا جو بظاہر قہری ہوں لیکن فی الحقیقت اپنے اندر تیرے جلال کی تجلّیات لئے ہوں اور ان کی کشش اور حُسن کے نتیجہ میں کثرت کے ساتھ دُنیا کے دل احمدیت کی طرف مائل ہوں۔ پس اِس عالمی مقابلے میں مَیں آپ کو شامل ہونے کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ دُنیا کی اولمپکس تو ہر چار سال کے بعد آجایا کرتی ہیں مگر اس قسم کے رُوحانی مقابلے بعض دفعہ ہزاروں سال کے بعد نصیب ہؤا کرتے ہیں۔ آپ خوش نصیب ہیں جو اس زمانے میں رہ رہے ہیں لیکن موسیٰ کی قوم کی طرح ان معنوں میں نہ پڑیں کہ آپ یہ کہیں کہ جا تُو اور تیرا خدا لڑتے پھرو۔ ہم یہاں بیٹھ رہنے والے ہیں بلکہ اُٹھیں اور اِس سفر میں میرے ساتھ شریک رہیں قدم قدم میں میرا ساتھ دیں اور دعاؤں کے ذریعہ اور پاک تبدیلیوں کے ذریعہ وہ انقلاب برپا کرنے کے لئے میری مدد کریں جس کے لئے خدا نے مجھے نہیں بلکہ ہم سب کو مامور کیا ہے۔ خدا کرے کہ جلد تر وہ انقلاب دُنیا میں رونما ہو۔ آمین

دورۂ مشرقی افریقہ ۱۹۸۸ء ـــــ بقیہ صفحہ ۳۴

پریس کانفرنس منعقد ہوئی۔ بعد ازاں حضورِ انور ایدہ اللہ تعالیٰ ائیرپورٹ سے باہر تشریف لائے جہاں کثیر تعداد میں مرد و زن چھوٹے اور بڑے جمع تھے۔ تمام احباب نے اھلاً و سھلاً و مرحبًا، نعرہ ہائے تکبیر، احمدیت اور امام جماعتِ احمدیہ زندہ باد کے پُرجوش نعروں سے حضورِ انور کا استقبال کیا۔

حضور نے تمام مرد حضرات کو شرفِ مصافحہ بخشا۔

جنّت کی راہ ــــ رزقِ حلال

(مکرم غلام رسول اعوان صاحب - ڈیرہ غازی خان)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ذکر ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ لوگ مال و دولت جمع کریں گے لیکن یہ کوئی نہ خیال کرے گا کہ یہ مال کن وسائل سے آرہا ہے۔ اُس وقت حلال اور حرام کی تمیز اُٹھ جائے گی۔ وہ زمانہ یہی زمانہ ہے۔ ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اس کو مال و دولت مِل جائے خواہ جس طریق سے ہی آئے۔ اُس زمانہ کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ نہ وہ مجھ سے ہیں اور نہ مَیں اُن سے ہوں۔ میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ اب ہر شخص اِلّا ماشاء اللہ دوسروں کے حقوق کو مارنے کے لئے تُلا ہوُا ہے۔ لُوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ ایمان اُٹھ گیا ہے۔ قیامت کا ڈر نہیں۔ محاسبہ کا خوف نہیں۔ بلکہ احساسِ گناہ ہی نہیں۔ اب حلال رزق کھانے والا شاذ ہی ملے گا۔ اب تو لوگ یہی کہتے ہیں کہ میاں یہ دُنیاداری ہے یہاں دینداری نہیں چلے گی۔ "دُنیا کماؤ مکر سے اور روٹی کھاؤ شکر سے" یہ عام مقولہ ہے۔ لیکن حدیث شریف میں آیا ہے کہ عبادت کے دسؔ حصّے ہیں ایک حصّہ عبادت کا تو نماز، روزہ اور زکوٰۃ ہے اور باقی ۹ حصّے رزقِ حلال ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ رزقِ حلال کو عبادت میں فضیلت حاصل ہے۔ جس کا رزق حلال نہیں اس کی دوسری عبادتیں فضول ہیں۔ لکھا ہے ایک شخص دُور سے چل کر آتا ہے۔ راستے کی صعوبت اُٹھاتا ہے۔ خرچ کرتا ہے۔ وہاں جا کر طواف کرتا ہے اور دوسرے مناسکِ حج ادا کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے فرماتا ہے کہ تُو یہاں کیا لینے آیا ہے جب تیرا رزق حرام ہے اور حرام کی کمائی کھاتا ہے تُو یہاں سے کیا لے جاوے گا۔ غور کرو کہ جس کا رزق حلال نہیں نہ اس کی نمازیں قبول ہیں نہ حج نہ زکوٰۃ اور نہ صدقات۔ حیوان اور انسان میں یہی تو فرق ہے کہ حیوان کو عقل نہیں دی گئی اُسے جہاں سے خوراک ملتی ہے کھا لیتا ہے۔ لیکن انسان کو عقل ملی ہے اُسے اپنے پرائے کی تمیز ہے۔ وہ اگر دوسروں کی چیز کو غصب کرتا ہے تو ظالم ٹھہرتا ہے۔ وہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔ اِسی لئے فرمایا کہ حرام رزق کھانے والے پر جنّت حرام ہے۔ ایسا گوشت جو حرام مال کھانے سے بنے وہ جنّت میں نہیں جائے گا۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ حقوق العباد کو معاف نہیں کرتا جب تک مظلوم اُس کو معاف نہ کرے۔ اب غور کرو کہ وہ ذرا سے مالی فائدہ کے لئے ظالم بنتا ہے اور ایسے گناہ کرتا ہے جو معاف نہیں ہو سکتے اور اُن کا بدلہ اُسے آخرت میں ضرور دینا ہوگا خواہ اُس کی نیکیاں مظلوم کو ملیں یا مظلوم کی بدیاں

اُسے ملیں۔ پس خیال کرو کہ کتنا عظیم نقصان ہے جو وہ کرتا ہے۔ اس سے بہتر تھا کہ وہ پیدا ہی نہ ہوتا۔

کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم تیمی نے موسیٰ بن مہران کو اُن کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور اُن سے اللہ تعالیٰ کے سلوک کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب سے مَرا ہوں اُمراء کی خیانتوں کا جواب دے رہا ہوں اور ایک سُوئی کے بدلے قید ہوں جو واپس نہ کر سکا۔ پس جس کا رزق حرام ہو اُس کا کیا حال ہو گا۔

اِس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق تو بخش دیتا ہے لیکن بندوں کے حقوق نہیں بخشتا جب تک کہ اُس کی پوری تلافی نہ ہو جاوے۔ میرا ایک واقف کار رشوت لیتا تھا۔ مَیں نے اُس سے کہا بھائی رشوت کیوں لیتے ہو اسے چھوڑ دو۔ دوسروں کا گناہ کیوں اپنے سر لیتے ہو۔ کہنے لگا بھائی کیا کریں تنخواہ پر گذارہ نہیں ہوتا۔ مَیں نے کہا کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کو یہی جواب دوگے کہ تیرا دیا ہُوا رزق مجھے کافی نہ تھا اِس لئے مَیں اپنے گذارہ کے لئے رشوت لیتا تھا۔ کہنے لگا مَیں ایسا تو نہیں کہہ سکتا۔ مَیں نے کہا کہ خدا تعالیٰ تو تمہارے حسبِ حال گذارہ کی رقم دے دیتا ہے اُس میں اپنے آپ کو رکھنا پڑے گا۔ جتنی چادر ہو اُتنے پَیر پھیلاؤ۔ جس حالت میں مالک آپ کو رکھنا چاہتا ہے اُسی حالت میں رہو دوسروں کی دیکھا دیکھی سے اپنے معیار کو بڑھا دینا بیوقوفی ہے۔ مومن کا کام تو تسلیم و رضا ہے خدا کی تقسیم پر راضی ہو جاؤ ورنہ نتائج بہت خراب ہوں گے۔

دراصل انسان بڑا ہی کم عقل اور حد سے بڑھ جانے والا ہے۔ اُسے ایسی حرص لگی ہے کہ خدا کی تقسیم پر راضی نہیں رہتا۔ حالانکہ اُس نے کہہ دیا ہے کہ " نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ "۔ لیکن وہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے اور ہمیشہ اپنی قسمت پر شاکی رہتا ہے۔ خدا تعالیٰ اسے کہتا ہے کہ حرام نہ کھا مَیں تجھے بھوکا نہ ماروں گا۔ کیا مَیں نے تجھے ماں کے پیٹ میں نہ پالا تھا اور جب تُو پیٹ سے باہر آیا تو کیا تیرے لئے ماں کی چھاتیوں میں دُودھ نہ بھر دیا تھا۔ اے بیوقوف انسان! مجھے صرف روٹی کے لئے ناراض کرتا ہے کیا روٹی نہ ملے گی۔ مَیں کسی کو بھوکا نہیں سُلاتا۔ بھوکا اُٹھاتا ہوں بھوکا سُلاتا نہیں۔ حرام نہ کھا مَیں تجھے حلال دوں گا۔ اگر دال ملے گی تو میرا قُرب بھی ملے گا زردہ پلاؤ پر مرتا ہے تو مجھ سے غافل ہو جائے گا نفس موٹا ہو جائے گا۔ بیکار ہو جائے گا۔ دال سے نیکیوں کی توفیق ملے گی۔ عبادت کا مزا آئے گا۔ سادہ غذا سے صحت بھی ٹھیک رہے گی لیکن انسان ہے کہ راضی نہیں ہوتا ہمیشہ جھگڑا کرتا ہی رہتا ہے۔

اکثر لوگ شکایت کرتے ہیں کہ نمازوں میں ان کا دل نہیں لگتا۔ عبادت کا مزا نہیں آتا۔ تو اس کی اکثر وجہ یہی ہوتی ہے کہ ان کے رزق میں کچھ خرابی ہوتی ہے اِس لئے خدا تعالیٰ سے ان کا صحیح ربط قائم نہیں رہتا۔ وہ پاک ہے اور پاکیزہ دلوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ویسے تو انسان عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور فطرۃً اسے اپنے کام میں مزا آتا

ہے لیکن اس کی بے ذوقی اس کی ناپاکی کی نشان دہی کرتی ہے۔ دراصل رزقِ حلال اور حرام کا بہت ہی نازک معاملہ ہے انسان تھوڑی سی بات سے حلال کی کمائی کو حرام کر لیتا ہے۔ ملازم اگر کام میں سُستی کرے تو رزق حرام۔ دکاندار پورا سودا نہ دے یا ملاوٹ کرے تو رزق ناپاک۔ دستکار یا مزدور غفلت کرے تو رزق ناپاک۔ اسی طرح ہر شخص اپنے نفس کو منصف رکھ کر اس امر کو جان سکتا ہے۔ حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ ایک مرتبہ اپنے خدام کے ساتھ سَیر کو جا رہے تھے کسی دوست نے بیر پڑا دیکھا اُٹھا کر کھانے لگا تو حضور نے فرمایا اس درخت کا بھی کوئی مالک ہے کیا آپ نے اُس سے پوچھا ہے تو اُس نے فوراً وہ بیر گرا دیا۔ تو دیکھو جسے ہم بہت ہی معمولی بات سمجھتے ہیں وہ بہت ہی خطرناک ہوتی ہے۔ تقویٰ کی راہیں تو بہت باریک ہیں۔ لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم کو ایک مرتبہ کسی باغ کی رکھوالی کرنا پڑی۔ ایک دن مالک نے کہا کہ کچھ میٹھے انار لے آؤ۔ آپ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد چند انار لے آئے۔ مالک نے انار چیرے تو سب کے سب کھٹے تھے۔ اُس نے برہم ہو کر کہا کہ اتنی مدت میں تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں ہؤا کہ کھٹے انار کونسے ہیں اور میٹھے کونسے۔ آپ نے جواب دیا کہ "سرکار! میرا کام کھٹے اور میٹھے انار چکھنا نہیں اناروں کی رکھوالی کرنا ہے"! مالک حیرت سے اُس کا مُنہ تکنے لگا کہ کتنی دیانت کی بات کہی ہے۔ غرض یہی ابراہیم بن ادھم آگے جا کر خدا تعالیٰ کے مقرب بنے اور برگزیدہ لوگوں میں شامل ہوئے۔

اب اس بات کو بھی سامنے رکھو اور اپنی اور دُنیا کی حالت کو بھی دیکھو کہ آج کا انسان کہاں سے کہاں چلا گیا ہے۔ غرض سب سے بڑی چیز تو تقویٰ ہے اور یہی ناپید ہے۔ پھر اس امر کو ذرا وسعت دے کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ حرام کا مال کھاتے ہیں ان کی اولاد بگڑ جاتی ہے۔ اُن کی جمع کی ہوئی دولت یا تو بیماری پر لگ جاتی ہے یا مقدمہ بازی میں خرچ ہو جاتی ہے یا کسی اور ناجائز طریق سے ضائع ہو جاتی ہے۔ غرض جس طور پر مال آتا ہے اُسی طور چلا جاتا ہے۔ حرام مال میں برکت نہیں ہوتی بلکہ وہ دوسرے مال کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ آپ اپنے گرد و پیش نظر دوڑائیں تو آپ کو سینکڑوں مثالیں اس قسم کی ملیں گی کہ حرام مال کھانے والے نہ خود رہے اور نہ اُن کا مال صرف اُن کے افسانے عبرت کیلئے رہ گئے۔

ایک آدمی کا ریوڑ تھا وہ دُودھ میں پانی ملایا کرتا تھا۔ نوکر اُسے کہتے کہ یہ کام ٹھیک نہیں مگر وہ اِس طرف توجہ نہ کرتا۔ خدا کا کرنا ایسا ہؤا کہ ایک دن جب اُس کا نوکر بکریوں کو چرانے کے لئے پہاڑ پر لے گیا تو وہاں اس زور کی بارش ہوئی کہ وہ بکریوں کو بھی بہا لے گئی نوکر ایک بکری بھی بچا نہ سکا۔ جب خالی گھر آیا تو مالک نے پوچھا کہ بکریاں!۔ اُس نے جواب دیا کہ جو پانی آپ دُودھ میں ملایا کرتے تھے وہ سیلاب کی صورت میں آیا اور سب بکریوں کو بہا کر لے گیا۔ اب آپکا حساب صاف ہو گیا ہے۔ دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی۔ میری بات تو آپ نے نہ مانی تھی اب اس کا خمیازہ بھی بھگتو اور اب کوئی اَور دھندا کرو۔

یہ کہاوت بالکل صحیح ہے کہ "مالِ حرام بجائے حرام رفت"۔ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے (باقی صفحہ ۲۹ پر)

حصولِ مرادات کا ذریعہ

"یہ تمام امور مقبولوں کے ہی اثرِ وجود سے ہوتے ہیں اور ان کے انفاسِ پاک سے اور ان کی برکات سے یہ جہان آباد ہو رہا ہے۔ انہیں کی برکت سے بارشیں ہوتی ہیں اور انہی کی برکت سے دُنیا میں امن رہتا ہے اور وبائیں دُور ہوتی ہیں اور فساد مٹائے جاتے ہیں ..... وہ دُنیا کے نور ہیں جب تک وہ اپنے وجودِ نوعی کے لحاظ سے دُنیا میں ہیں دُنیا منوّر ہے اور ان کے وجودِ نوعی کے ساتھ ہی دُنیا کا خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ حقیقی آفتاب و ماہتاب دنیا کے وہی ہیں۔

...... خدائے تعالیٰ خاص ارادہ فرماتا ہے کہ تا وہ جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے سچّی قبولیّت اور سچّی برکت رکھتا ہے اسی کی عزّت ظاہر ہو...... اِسی وجہ سے مَیں نے پہلے بھی کہہ دیا ہے کہ کامل مومن کی آزمائش کے لئے جیسا سہل طریق مقابلہ ہے ایسا اور کوئی طریق نہیں جس بارے میں کامل مومن کی دعا منظور نہ ہو اور اعلامِ الٰہی سے اس کو نامنظوری کی اطلاع دی جائے پھر اگر اس کام کے لئے یورپ اور امریکہ کی تمام تدبیریں ختم کی جائیں یا دُنیا کے تمام بُتوں کے آگے سر رگڑا جائے یا اگر تمام دُنیا اپنی اپنی دعاؤں میں اس امر میں کامیابی چاہے تو یہ ناممکن ہوگا۔ اور اگرچہ مومنِ کامل کا فیض تمام دُنیا میں جاری و ساری ہوتا ہے اور اسی کی برکت سے دُنیا کی کل چلتی ہے اور وہ درپردہ ہر یک کے لئے حصولِ مرادات کا ذریعہ ہوتا ہے خواہ کوئی اُس کو شناخت کرے یا نہ کرے۔ لیکن جو لوگ خاص طور پر ارادت اور عقیدت کے ساتھ اس کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں وہ نہ صرف اس کی برکت سے دُنیا کی مرادات پاتے ہیں بلکہ اپنا دین بھی درست کر لیتے ہیں اور اپنے ایمانوں کو قوی کر لیتے ہیں اور اپنے ربّ کو پہچان لیتے ہیں اور اگر وہ وفاداری سے مومنِ کامل کے زیرِ سایہ پڑے رہیں اور درمیان سے بھاگ نہ جائیں تو بکثرت آسمانی نشانوں کو دیکھ لیتے ہیں۔"

(روحانی خزائن جلد چہارم (آسمانی فیصلہ) صفحہ ۳۲۸، ۳۲۹)

ہفتم دفتر دوم صفحہ ۳۷ میں تحریر ہے :-

"امورِ دینیہ احکامِ شرعیہ کے علاوہ اور بھی بہت سے ہیں کہ جن میں پانچواں اصل الہام ہے بلکہ کہنا چاہیئے کہ تیسرا اصل الہام ہے۔ کتاب و سُنّت کے بعد یہ اصل قیامت تک قائم ہے پس دوسروں کو ان بزرگواروں سے کیا نسبت ؟"

تو دوسرا فریق آیتِ قرآنی کے سیاق و سباق سے صاحبِ الہام ہونا ضروری ہے اور وہی مذکورہ دعوت دینے کا حق رکھتا ہے۔ فروعی اختلافات پر دعوتِ مباہلہ نہیں دی جاتی بلکہ جب مخالف فریق اِس تعلق کو جھٹلاتا ہے جو ایک مدعی اپنے خدا سے ظاہر کرتا ہے اس وقت وہ مدعی اپنے اس دعویٰ کی صداقت کے لئے خدا تعالیٰ سے تعلق کی بناء پر اسی کے حضور خود بھی حاضر ہوتا ہے اور فریقِ مخالف کو بھی بلاتا ہے تا وہ قادر خدا اپنے تعلق کے اظہار کے لئے ایسے مُعجزنما نشانات دکھائے کہ حق و باطل میں تمیز ہو جائے۔

آیتِ قرآنی صاف اور واضح طور پر یہ ثابت کر رہی ہے کہ وہ لوگ جو خدا کی ہمکلامی سے مشرّف ہونے کے دعویدار نہ ہوں وہ دعوت دینے کے اہل ہی نہیں ہیں اور اگر وہ ایسی دعوت از خود دیتے ہیں تو وہ قرآنی منشاء کے خلاف اور عبث ہے اور عدمِ اہلیّت کے باعث ایسی دعوت قطعاً ناقابلِ اعتناء سمجھی جائے گی اور اس کے مقابل پر خاموشی اولیٰ ہے ہاں اگر باقاعدہ فورم کی طرف سے دعوتِ مباہلہ دی گئی ہو تو قبول کرنے کا اختیار ہر ایک کو ہے لیکن ان شرائط کے تحت جو مدعی تجویز کرے۔ قرآن کریم نے نہ تو ایک دعوت پر دوسری طرف سے جدید دعوت کا دروازہ کھولا ہے اور نہ ہی اپنی طرف سے شرائط لگانے کی گنجائش پیدا کی ہے بلکہ ترغیب کی بجائے ترہیب کا انداز اختیار کیا ہے اور یہی وجہ تھی کہ وفد نجران نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا۔ یہ دعوت بایں الفاظ دی گئی ہے تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ .....

تَعَالَوْا بابِ تفاعل سے ہے اور بحیثیتِ فاعل اشتراکِ فعل کا متقاضی ہے۔ گویا آؤ یہ یہ کام کریں۔ قرآنی محاورہ میں تَعَالَوْا کا لفظ کسی فعل کی طرف ذہنی آمادگی اور توجہ طلبی کے لئے استعمال ہؤا ہے۔ آیتِ مباہلہ کے علاوہ سات جگہ پر یہ فعل استعمال ہؤا ہے۔

۱۔ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (آلِ عمران : ۶۵) آیت مذکورہ بالا کے بعد یہ تیسری آیت ہے اور اس میں تَعَالَوْا کا لفظ اہلِ کتاب کے لئے آنا گویا پہلے تَعَالَوْا کے تسلسل میں ہی ہے کہ واقعاتی طور پر تم نے دعوت مذکورہ بالا کو قبول نہیں کیا تو ایک دعوتِ اشتراکِ فعل اور ہے کہ اب ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان یکساں ہے گویا دونوں موقعوں پر ایک ہی قسم کے مخاطبین کو اشتراکِ فعل کی طرف دعوت ہے آمنے سامنے ہونے کی دعوت نہیں بلکہ كَلِمَةٍ

سَوَآءٍ میں مکانیت کا تصور ہی نہیں۔ خیالات وعقائد کی ہم آہنگی مقصود ہے۔

۲۔ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (آلِ عمران ۱۶۸) میں بھی منافقین کو اشتراکِ فعل کی دعوت دی ہے آمنے سامنے آنے کی دعوت نہیں کیونکہ منافقین جواب میں نفی الفعل کے طور پر کہتے ہیں "لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰکُمْ" کہ اگر ہمیں لڑائی کے گُر آتے تو ضرور آپ کی اتباع کرتے ہوئے لڑائی میں شریک ہوتے۔

۳۔ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ (النّساء: ۶۲) یہاں پر بھی منافقین کو خطاب ہے کہ جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس کی طرف رجوع کرو اور اس کو بصدقِ دل قبول کرو۔ یہاں سامنے آؤ ترجمہ کرنا مضحکہ خیزی ہے۔

۴۔ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ (المائدہ: ۱۰۵) یہاں پر کفار کو خطاب ہے اور وہی الفاظ ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

۵۔ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ اَلَّا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا (الانعام: ۱۵۲) اس کا ترجمہ ہے آؤ تمہیں پڑھ کر سُناؤں جو تمہارے ربّ نے تم پر حرام کر دیا ہے کہ اس ذات کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ یہاں بھی اشتراکِ فعل کی طرف دعوت ہے۔ سامنے بُلانا مقصود نہیں اور نہ عملاً ایسے ہؤا کہ وَالْغَوْا فِیْہِ کے دعویدار مشرکینِ مکہ حضور کے پاس آ کر کلام سُنتے۔ اس میں بھی اشتراکِ عمل کی تحریص دلوائی ہے۔

۶۔ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ (المنافقون: ۶) یہاں منافقوں کو خطاب ہے آؤ اللہ کا رسول تمہارے لئے استغفار کرے۔ اس آیت میں بھی بُلانا مقصود نہیں بلکہ ایسے اعمال کی طرف دعوت ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کا موجب بنے۔ کیونکہ ان کا صرف حضور کی خدمت میں حاضر ہونا تو انہیں مستوجب استغفار نہیں بنا سکتا خصوصاً جبکہ وہ اکثر مجالس میں حاضر بھی ہوتے تھے اور قَالُوْا اٰمَنَّا کہنے کے لئے کوئی موقع ضائع نہ کرتے تھے۔

۷۔ تَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا (احزاب ۲۹) حضورؐ اپنی بیویوں کو فرماتے ہیں کہ آؤ میں تمہیں کچھ دنیوی سامان دے دیتا ہوں اور تم کو نیک طریق سے رخصت کر دیتا ہوں۔ یہاں پر بھی پیشکش کو قبول کرنے کا ذکر ہے جسمانی طور پر آنے کا ذکر نہیں ہے۔

قرآن کریم کے لفظ تَعَالَوْا کی واضح تفسیر کے بعد اس لفظ کی لُغوی تحقیق بھی ضروری ہے۔ چنانچہ المُنجد میں ہے "تَعَالَ۔ فعل امر بمعنی "ھَلُمَّ"۔ مطلقاً کہ یہ فعل امر مطلق "ھَلُمَّ" کے معنی دیتا ہے۔

مفرداتِ راغب میں ہے " تَعَالَ قِيْلَ اَصْلُهُ اَنْ يُدْعَى الْاِنْسَانُ اِلٰى مَكَانٍ مُرْتَفِعٍ ثُمَّ جُعِلَ لِلدُّعَاءِ اِلٰى كُلِّ مَكَانٍ قَالَ بَعْضُهُمْ اَصْلُهُ مِنَ الْعُلُوِّ وَهُوَ ارْتِفَاعُ الْمَنْزِلَةِ فَكَاَنَّهُ دَعَا اِلٰى مَا فِيْهِ رِفْعَةٌ كَقَوْلِكَ اِفْعَلْ كَذَا غَيْرَ صَاغِرٍ تَشْرِيْفًا لِلْمَقُوْلِ لَهُ وَعَلٰى ذٰلِكَ قَالَ قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ ، تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ ..... تَعَالَوْا اَتْلُ ـ "

گو تَعَالَ کے معنی میں انسان کو اُونچی جگہ بُلانے اور پھر مجازی طور پر ہر جگہ بُلانے کا مفہوم بھی ہے لیکن بعض کے نزدیک یہ لفظ عُلُوٌّ (ارتفاعِ منزلت) سے ہے یعنی ایسے امر کی طرف دعوت دینا ہے جو رفعت اور بلندی کا باعث ہو۔ جس طرح محاورۃً کہتے ہیں کہ یُوں کریں اور وہ مخاطب کے لئے ذلّت نہیں بلکہ شرف کا باعث ہو اور اسی ضمن میں بطور مثال آیتِ مباہلہ کو پیش کیا۔

مفردات کے اِس حوالہ میں دو امور ایسے ہیں جو تَعَالَوْا کے معنی دعوت اِلی المکان کی تردید کرکے ذہنی ہم آہنگی پیدا کرکے اشتراکِ فعل کی دعوت دینا ثابت کرتے ہیں۔

۱۔ امام راغبؒ نے " عُلُوٌّ " (شرف و رفعت) کے مادہ سے تَعَالَوْا کو ثابت کرکے ایسے فعل کی طرف دعوت قرار دیا ہے جو شرف و رفعت کا باعث بنے اور مثال میں بھی " اِفْعَلْ كَذَا " لاکر اس مفہوم میں زیادہ شدّت پیدا کی ہے۔

۲۔ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا کے فوراً بعد " تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ " اور " تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ " لاکر یہ ثابت کیا ہے کہ ساری مثالیں ایک ہی سیاق میں ہیں اور مفہوم کے لحاظ سے یکساں ہیں۔ اور جیسا کہ یہ امر عیاں ہے " اِلٰى كَلِمَةٍ " اور " اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ " اور مکانیت میں مغائرت ہے۔ اِس لئے پہلی مثال تَعَالَوْا نَدْعُ پر بھی یہی اصل اطلاق پائے گی اور دعوت اِلی المکان کا مفہوم نکالنا بلاغت کے منافی ہوگا۔

مفسّرین کے ہاں اِس ضمن میں تقریباً ایک قسم کا ہی نظریہ پایا جاتا ہے جس کے الفاظ کم و بیش ایک جیسے ہی ہیں۔ تَعَالَوْا ـ هَلُمُّوْا وَالْمُرَادُ الْمَجِيْئُ بِالْعَزْمِ وَالرَّاْيِ كَمَا نَقُوْلُ تَعَالَ نُفَكِّرْ فِيْ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ ـ

کہ تَعَالَوْا کے معنی ہیں آؤ اور درحقیقت مراد عزم و رائے کے لحاظ سے آنا ہے جس طرح ہم کہتے ہیں آؤ ہم اِس مسئلہ پر غور و فکر کریں۔

لہٰذا قرآنی محاورہ۔ لغتِ عرب اور مفسّرین کی آراء کے مطابق تَعَالَ زیادہ تر ذہنی آمادگی اور شرکتِ فعل کی دعوت کے لئے آتا ہے۔ اور اگر دعوتِ اِلی المکان کا مفہوم لیا بھی جائے تو ایسا ہمہ گیر اجتماع جو آیت کے

ظاہری مفہوم پر پورا اُترے "مَاحَالَ الْحَوْلُ" (سال بھر نتیجہ ظاہر ہونے تک) کی روشنی میں ناممکن العمل ہے۔

تَعَالَوْا کو قرآنی محاورہ، کتب تفاسیر اور لغوی اعتبار سے حل کرنے کے بعد کہ مفہوم کے اعتبار سے گو دعوت اِلی المکان بھی نکلتی ہے لیکن یہاں پر وہ قطعاً مراد نہیں ہے بلکہ صرف اشتراکِ عمل اور کسی فعل کی طرف دعوت دینا مراد ہے۔ اب لفظ "نَدْعُ" کا حل کرنا ضروری ہے۔ نَدْعُ پر جزم ہے اور اسے نحوی اصطلاح میں "الجزم بالطلب" کہتے ہیں۔ اس میں طلب کے بعد فعل مضارع مجزوم صرف اسی وقت آسکتا ہے جبکہ وہ اس طلب کا لازمی نتیجہ ہو۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کبھی جزم نہیں آتی۔ گویا "نَدْعُ" کا وہ مفہوم لیا جائے گا جو تَعَالَوْا سے مستنبط ہو اور اس کا لازمی نتیجہ ہو یعنی دعوت اِلی المکان مراد نہیں بلکہ شرکتِ فعل کی طرف دعوت ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس کی مزید تشریح کرتی ہے:۔

"عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ ..... الآیَة دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلِیًّا وَفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَیْنًا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَآءِ اَهْلِیْ۔"

(ترمذی جلد دوم کتاب ابواب التفسیر زیرِ آیت مباہلہ)

کہ عامر بن سعدؓ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیتِ مباہلہ نازل ہوئی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنین علیہما السلام کو بُلا کر فرمایا اسے اللہ تعالیٰ میرے یہ لوگ اہلِ بیت ہیں یہ دعا اور ابتہال میں میرا ساتھ دیں گے۔ گویا اپنے گھر میں اپنے گھر کے افراد کو شامل کر کے دعا اور تضرّع کرنا ہی "نَدْعُ" کا مقصود ہے۔ اِس حدیث میں قطعاً ساتھ لے جانے کا ذکر نہیں بلکہ اکٹھا کر کے گھر میں خدا تعالیٰ کے حضور دعا کے لئے ایک خاندانی اکائی (جو آیت کا مفہوم ہے) پیش کر کے اپنی پوری اُمّت کے لئے اُسوہ فراہم کیا کہ مباہلہ میں دعا کا یہ انداز ہونا چاہیئے۔

پھر واقعاتی اعتبار سے بھی اگر فریقین رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور وفدِ نجران کو دیکھا جائے تو یہ بات تو درست ہے کہ وفد پہلے ہی چل کر حضورؐ کے پاس آیا ہوُا تھا۔ آیتِ مباہلہ تو بعد میں نازل ہوئی لیکن پھر بھی آیت کے مطابق ان میں بچّے اور عورتیں شامل نہ تھیں جو کوسوں دُور تھیں۔ حضورؐ کی طرف سے بھی اگر یہ مان بھی لیا جائے (گو صحاح ستّہ میں یہ حدیث مذکور نہیں) کہ بچّے ساتھ تھے ازواجِ مطہّرات تو پھر بھی شامل نہیں ہوئیں جس سے یہ امر ثابت و متحقق ہے کہ قرآنی آیت کا منشاء ان سب کا اجتماع نہیں بلکہ اپنے اپنے دائرہ میں اپنے آپ کو بچّوں کو اور عورتوں کو شریکِ فعل بحیثیّت فاعل کرنا ہے اور اگر حالات اجازت دیں اور جُزوی اجتماع ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بہرحال تکلیف مالایطاق دینا مقصود نہیں۔ اور بعض صورتوں میں تو یہ امر محال بلکہ ناممکن العمل

بھی ہوتا ہے۔ قتل و فساد کا خدشہ ہو۔ دعوت قبول کرنے والے فریق متعدد ہوں۔ دعوت میں عالمگیریت ہو۔ ایسے حالات میں اَلدِّیْنُ یُسْرٌ کے تحت ایک قابلِ حل طریقِ عمل اختیار کرنے میں کوئی روک نہیں۔ مثلاً موجودہ زمانہ میں جبکہ تقریر سے تحریر زیادہ مستند سمجھی جاتی ہے اجتماع کی بجائے تحریری دعوت سے تمام پیش آمدہ مسائل کا حل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جناب ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے بھی اِس کو تسلیم کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"مباہلہ باب مفاعلہ سے ہے۔ اس میں غالب دلالت طرفین کی طرف سے فعل میں مشارکت پر ہوتی ہے اور صدورِ فعل میں تکثیر بھی پائی جاتی ہے۔ بے شک بصورت تحریر بھی فعل میں طرفین کی مشارکت کسی نہ کسی طور پر ہے مگر اصالتاً معنی کی بدرجۂ اتم ادائیگی اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ فریقین ایک دوسرے کے سامنے ہوں اور ابتہال (دعا میں انتہائی تضرّع) کثرت کے ساتھ ہو۔"

(روزنامہ جنگ لاہور ۲۰ ستمبر ۱۹۸۸ء صٓ۳)

اِس حوالہ میں "بدرجۂ اتم ادائیگی" کو صرف "آمنے سامنے" کے ساتھ مختص کیا گیا ہے حالانکہ آیتِ مباہلہ میں بیان کردہ اصول کے تحت صرف چند مردوں کی آمنے سامنے موجودگی "بدرجۂ اتم ادائیگی" کی شکل نہیں ہوسکتی اور اگر باقی مردوں، بچّوں اور عورتوں کا معتدبہ حصّہ نکال کر "بدرجۂ اتم ادائیگی" کہلاسکتی ہے تو تحریری دعوت کی ہمہ گیریت اور اس کے نتیجہ میں عالمگیر سطح پر ابتہال کی کثرت کیوں "بدرجۂ اتم ادائیگی" نہیں کہلاسکتی۔

مباہلہ کا لفظ جو مشارکت کے لئے آتا ہے قرآن کریم نے استعمال نہیں کیا گو احادیث اور صلحاء امت نے "مباہلہ" کی اصطلاح استعمال کی ہے لیکن ان سب کا مستدل قرآنی ارشاد "ثُمَّ نَبْتَهِلْ" ہی ہے یعنی اِبتہال کے فعل میں شرکت کی دعوت ہے۔ نَبْتَهِلْ کا مادہ "بھل" ہے اور بابِ افتعال میں مجرّد کے معنی بھی دیتا ہے اور خاصہ ابتداء کے تحت نئے معانی بھی پیدا کرتا ہے۔ مجرّد کے معنی قائم رکھتے ہوئے اِبْتَهَلَ الْفَرِیْقَانِ کا مطلب ہے اِلْتَعَنَا کہ ایک دوسرے پر لعنت بھیجی یعنی جو بھی فریقین میں سے کاذب ہو اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے۔ اِس صورت میں یہ لفظ بابِ مفاعلہ کے ہم معنی ہوگا (خاصہ موافقت) بابِ مفاعلہ کی بجائے بابِ افتعال لانے کی یہ وجہ ہے کہ ہر ایک فریق یہ کہے کہ اگر مَیں اپنے ان دعاوی میں جھوٹا ہوں تو خدا تعالےٰ جھوٹوں پر لعنت ڈالے۔ دوسروں کو سبّ وشتم یا دشنام طرازی کا نشانہ بنانا درست نہیں۔ دوسروں کو کافر یا کاذب یا ان کی نسلوں کو بُرا بھلا کہنا اِس آیت کی رُوح کے خلاف ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کا کام ہے کہ کون اپنے دعوٰی میں صادق ہے اور کون کاذب اِس لئے نَجْعَلْ لَعْنَةَ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ کے الفاظ استعمال ہوئے کہ ہر ایک اپنے دعاوی بیان کرے اور پھر کہے کہ اگر مَیں اِن دعاوی میں جھوٹا ہوں تو خدا تعالیٰ مجھے لعنت کا مورد بنائے۔